روایاتِ اقبال

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

اقبال اکادمی پاکستان

روایات اقبال

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

اقبال اکادمی پاکستان لاہور

ناشر : پروفیسر محمد منوّر
ناظم اقبال اکادمی پاکستان

طبع اوّل : ۱۹۷۷ء

طبع ثانی : ۱۹۸۹ء

مطبع : ایمان پرنٹرز، لاہور

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۵۵/- روپے

نگران طباعت
فرخ دانیال

سیلز آفس : اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۶ میکلوڈ روڈ۔ لاہور۔ فون ۵۷۲۱۴

واضح رہے کہ مولانا عبدالمجید سالک مرحوم نے اپنی کتاب ''ذکرِ اقبال'' میں ان روایات کا کچھ حصہ اقتباسات کی شکل میں شائع کر دیا ہے ، تاہم ایک مستقل تصنیف کے طور پر انھیں ابھی تک شائع نہیں کیا گیا ۔ چونکہ ان روایات اور بیانات کی تاریخی اہمیت مسلّم ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ انھیں ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کردیا جائے تاکہ اقبالیات کے طلبہ اور محققین اسے کتاب حوالہ کے طور پر استعمال کر سکیں ۔

فہرست

☆ ☆ ☆

پیش کلام

بزمِ اقبال لاہور نے ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ناظمِ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی تجویز پر علامہ اقبال کے ابتدائی سوانح کے متعلق مواد جمع اور مرتّب کرنے کا کام میرے سپرد کیا تھا اور یہ بھی طے پایا تھا کہ اس کام میں مولانا غلام رسول مہر صاحب رہبری کریں گے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی وہ مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھی :

۱۔ مولانا غلام رسول مہر
۲۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی
۳۔ پروفیسر شیخ عطاءاللہ
۴۔ سیّد نذیر نیازی

اس کام کے لیے ایک سوال نامہ مرتّب کیا گیا تھا جس میں علامہ اقبال کے خاندان اور ان کی ولادت کے علاوہ سوالات کی ایک شق مولانا سید میر حسن کے متعلق بھی شامل تھی ۔ یہ ''سوالنامہ'' بعینہٖ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے ۔

جب اس کے مطابق کام کرنے کا وقت آیا تو شیخ عطاءاللہ نے

سیالکوٹ سے شرکت کا وعدہ کیا اور وہ پروگرام کے مطابق شامل ہوئے - ہم نے اپنے کام کا آغاز گوجرانوالہ کے مولوی عبدالعزیز کے بیان سے کیا جن کی عمر ۱۹۵۲ء کے آغاز میں ایک سو سال سے متجاوز تھی -

اس کے بعد پروگرام کے مطابق سیالکوٹ میں کام شروع کیا گیا جس میں شیخ عطاءاللہ نے بھی شرکت کی - متوسلینِ اقبال کے جو بیانات قلم بند کیے گئے تھے انھیں "روایاتِ اقبال" کے نام سے ان اوراق میں شائع کیا جا رہا ہے -

۱۶ نومبر ۱۹۷۶ء

محمد عبداللہ چغتائی

"سوالنامہ"

سوالات متعلق خاندان :

۱- علامہ مرحوم کا خاندان کس زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوا ؟

۲- پہلے پہل خاندان کے کس بزرگ نے اسلام قبول کیا ؟ ان کا پہلا نام کیا تھا اور اسلامی نام کیا رکھا گیا ؟

۳- یہ حضرات کس زمانے میں کشمیر سے نکل کر سیالکوٹ میں آباد ہوئے ؟ اسلام لانے سے پہلے ان کی مالی حالت کیسی تھی؟ سیالکوٹ میں اقامت کے بعد ذرائعِ معاش کیا تھے ؟

۴- آیا اس خاندان کے پہلے مسلمان فرد سے لے کر حضرتِ علامہ تک پورا شجرہ مل سکتا ہے ؟

۵- حضرتِ علامہ کے دادا کا نام کیا تھا ؟ معاش کے لیے انھوں نے کیا مشغلہ اختیار کر رکھا تھا ؟ اور ان کی اولاد کے متعلق کیا کچھ معلوم ہو سکتا ہے ؟

۶- آیا علامہؒ مرحوم کے والدِ ماجد کی تخمینی تاریخِ ولادت آپ بتا سکتے ہیں ؟

۷- علامہ کے والدِ ماجد زندگی بھر کیا کام کرتے رہے ؟ ان کی مالی حالت کیسی تھی ؟ آیا انھوں نے تعلیم پائی تھی ؟ ان کے عادات و اخلاق کے متعلق جو کچھ آپ بتا سکیں ، مہربانی فرما کر ذرا تفصیلاً بتائیں ؟ اگر آپ کو ان کے متعلق ایسے واقعات یاد ہوں جن سے ان کے اخلاق و عادات پر روشنی پڑتی ہو تو مہربانی فرما کر وہ واقعات بھی بیان فرمائیں ؟

۸- آیا علامہؒ مرحوم کے والد کے بھائی بھی تھے ؟ اگر تھے تو کتنے اور وہ کیا کام کرتے تھے ؟

۹- علامہؒ مرحوم کی والدۂ ماجدہ کس خاندان سے تھیں ؟ آیا ان کے بزرگوں یا خاندان کے بعض دیگر افراد کے متعلق کچھ معلومات مل سکتی ہیں ؟ اگر والدۂ ماجدہ کا نام معلوم ہو جائے تو بہت بہتر ہوگا -

۱۰- علامہؒ مرحوم کے بھائی اور بہنیں مع تاریخ ہائے ولادت -

سوالات متعلق پیدائش :

۱۱- تاریخِ ولادت ہمیں پہلے معلوم ہے -

۱۲- عہدِ طفلی کے واقعات جتنے بھی آپ کو یاد ہوں ، مہربانی

کر کے بتائیں ؟

۱۳- کتنی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا ؟ آیا سکول میں داخل ہوئے یا مسجد میں یا کسی استاد سے نجی طور پر تعلیم شروع کی ؟

۱۴- سکول میں کب داخل ہوئے اور کون سے سکول میں ؟ پرائمری کس سکول سے پاس کی ؟ ثانوی تعلیم کس سکول میں پائی ؟

۱۵- اس زمانے میں عادات و خصائل کا کیا رنگ تھا ؟ آیا کچھ ایسے واقعات آپ کو یاد ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ علامہ مرحوم میں ایک غیر معمولی شخصیت کے جوہر موجود تھے ؟

۱۶- اس عہد میں مطالعے کا غیر معمولی شوق تھا ؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کس علم یا مضمون کی کتابیں زیادہ پسند کرتے تھے ؟

سوالات متعلق "اقبال کے اساتذہ" :

۱۷- سکول میں حضرت علامہ اقبال جن جن اساتذہ سے پڑھے ، آیا ان کے نام اور کچھ حالات مل سکتے ہیں ؟

۱۸- مولانا سید میر حسن (ان کے متعلق سوالنامہ الگ ترتیب دیا گیا ہے) ۔

۱۹- حضرت علامہ کو مولانا سید میر حسن سے کس بنا پر تعلق پیدا ہوا ؟ سنا جاتا ہے کہ حضرت اقبال مرحوم کے والد ماجد

اور مولانا سید میر حسن گھرے دوست اور ہم نشین تھے ۔ اسی تعلق کی بنا پر مولانا نے علامہ مرحوم کو پڑھانا شروع کیا اور جب ان میں قابلیتِ خاص کے جوہر پائے تو ان کی تعلیم و تربیت پر بہت زیادہ توجہ مبذول فرمائی ۔ آپ کو اس بارے میں جو کچھ معلوم ہو تفصیلاً بتائیں ؟

۲۰- آیا حضرتِ علامہ سکول جانے سے پہلے یا سکول سے آنے کے بعد مولانا سید میر حسن صاحب سے الگ بھی پڑھتے تھے ؟ اگر پڑھتے تھے تو کس قسم کی کتابیں ؟ اگر کتابوں کے نام معلوم ہوں تو ضرور بیان فرمائیں ؟

۲۱- حضرتِ علامہ نے کس عمر تک مولانا سید میر حسن صاحب سے پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا ؟

۲۲- حضرتِ علامہ کے پرائمری ، مڈل اور میٹرک پاس کرنے کی تاریخیں اور درجاتِ کامیابی کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو بیان فرمائیں ؟

سوالات متعلق ''شاعری کی ابتدا'' :

۲۳- ۱۸۷۰ء سے ۱۹۰۰ء تک تیس سال کی مدت میں سیالکوٹ میں فارسی یا اردو کے کون کون شاعر تھے ؟ ان میں سے بعض کا کلام چھپا ہو یا کچھ اشعار آپ کو یاد ہوں تو ضرور بتائیے ؟

۲۴- آیا سیالکوٹ میں مشاعرے بھی ہوتے تھے ؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا یہ کسی خاص شخص کے مکان پر ہوتے تھے یا کسی پبلک جگہ میں ؟ ان مشاعروں کے باب میں جو کچھ معلوم ہو بتائیں ؟

۲۵- حضرتِ علامہ نے کب شعر کہنا شروع کیا ؟ آیا وہ مشاعروں میں بھی جاتے تھے اور طرحی غزلیں لکھتے تھے ؟ آیا اس زمانے کی کسی نظم کا حال آپ کو معلوم ہے یا غزلوں کے کچھ اشعار یاد ہیں ؟

سوالات متعلقہ مولانا سید میر حسن مرحوم :

۲۶- مولانا کا خاندانی شجرہ اور خاندانی حالات ۔

۲۷- مولانا کے اساتذہ اور ان کا مبلغِ علم ۔

۲۸- مولانا کا مشغلۂ حیات ۔

۲۹- مولانا کا طریقِ زندگی ۔

۳۰- ہندوستان کے اہلِ علم و فضل اور اہلِ سیاست سے تعلقات ۔

۳۱- مولانا کا فیضانِ علم اور مولانا کے تلامذہ ۔

۳۲- مولانا کے اخلاق و عادات اور اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ واقعات کی فراہمی ۔

۳۳- اس وقت کے سیالکوٹ کی علمی فضا اور اکابرِ علم ۔

☆ ☆ ☆

مولوی عبدالعزیز

(گوجرانوالہ)

[سید نذیر نیازی صاحب سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالعزیز صاحب کا بیشتر ابتدائی وقت سیالکوٹ میں بسر ہوا ۔ اس بنا پر ان سے حضرتِ علامہ مرحوم اور ان کے خاندان کے متعلق قیمتی معلومات مل سکیں گی ۔ چنانچہ ہم ۲۱ جنوری ۱۹۵۲ع کو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ بہت ضعیف تھے ، عمر ایک سو سال سے اوپر ہو چکی تھی ۔ مدعا عرض کیا ۔ ان سے حضرتِ علامہ اور ان کے والدِ ماجد کے متعلق تو زیادہ معلومات نہ مل سکیں ، لیکن شمس العلما مولانا سید میر حسن کے متعلق خاصی باتیں معلوم ہوئیں جنھیں تقریباً اُنھی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے] ۔

میرے والد میری کم عمری میں فوت ہو گئے تھے۔ میرے ننھیال سیالکوٹ میں تھے ۔ تعلیم و تربیت کی غرض سے میں اپنے ماموں حاجی سکندر صاحب کے پاس چلا گیا جہاں بڑی مسجد میں تعلیم پانے لگا ۔ وہاں عموماً یہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں : گلستان ، بوستان ،

سکندر نامہ ، یوسف زلیخا ، جامی ، انوار سہیلی، صرف بہائی ، صرف میر، ہدایۃ النحو ، کافیہ ، کنزالدقائق ، قدوری ۔ کچھ عرصہ میرے استاد مولانا مزمّل رہے ۔ پھر میں سکاچ مشن سکول میں داخل ہوگیا ۔ میرے استاد بہت ناراض ہوئے ۔ کہتے تھے کہ تو ضرور عیسائی ہو جائے گا ۔ میرے سلام کا جواب بھی نہیں دیتے تھے ۔ مولوی میر حسن صاحب سکاچ مشن ہائی سکول کی ہائی کلاسز کو عربی اور فارسی پڑھاتے تھے ۔ طلبہ میں بے حد ہر دل عزیز تھے اور سب ان کے ساتھ محبت کرتے تھے ۔ وہ بھی ہر وقت طلبہ کی خیر خواہی میں سرگرم رہتے تھے ۔ میں بھی ان طلبہ کے ساتھ مولوی صاحب کے مکان پر جانے لگا ۔ تھوڑی مدت گزر گئی تو مجھے مدرسے سے اٹھا لیا گیا ، اس لیے کہ میرے ماموں کو بھی یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا ۔ اب پھر پہلے کی طرح پورا وقت مسجد میں صرف کرنے لگا ، لیکن ساتھ ساتھ مولوی صاحب کے پاس بھی برابر جاتا تھا ۔ کچھ پڑھ چکا تو خیال ہوا کہ نوکری کا بندوبست ہو جانا چاہیے ۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کا منشی مولوی صاحب کا دوست تھا ۔ انھوں نے مولوی مزمّل صاحب کے کہنے سے میری سفارش کی اور منشی صاحب نے منظور کر لی کہ اگر اس کو نارمل سکول لاہور میں بھیج دیا جائے تو وظیفہ ملے گا ۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مجھے نارمل سکول لاہور بھیجا گیا ۔ ٹھاکر داس وہاں کا ہیڈ ماسٹر تھا ۔ اس کی وضع قطع مسلمانوں کی سی تھی ۔ میں

نے جاتے ہی السلام علیکم کہا ۔ وہ مسکرایا ۔ املا لکھوایا جس کی عبارت "رسوم ہند" میں سے مسلمانوں کے حال کے بارے میں تھی۔ پورا املا صحیح نکلا ۔ پھر حساب کا امتحان لیا ، سارے سوال غلط نکلے ۔ اس وقت میرا سن کوئی پندرہ بیس سال کا ہوگا ۔ مجھے سکول میں داخل کر لیا گیا ۔ چنانچہ مولوی میر حسن صاحب میری ملازمت کا ذریعہ بنے ۔ میں جب بھی لاہور سے جاتا ، مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے فارسی اور عربی پڑھتا ۔

اسی زمانے میں مڈل کا امتحان ہوا ۔ دستور یہ تھا کہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز ممتحن ہوتے تھے ۔ وہ مدرسوں کو پاس بٹھا کر پرچوں پر نمبر لگواتے ۔ ہمارا ڈسٹرکٹ انسپکٹر جے گوپال سنگھ تھا ۔ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہوگیا ۔ میں امتحان کے پرچے دیکھنے میں مدد کرتا رہا ۔ میرا ایک دوست ہندو لڑکا تھا ۔ وہ اردو اور فارسی میں کمزور تھا ، حساب اچھا جانتا تھا ۔ میں حساب میں کمزور تھا اور اردو فارسی خوب جانتا تھا ۔ میں اسے اردو فارسی پڑھاتا اور وہ مجھے حساب سکھاتا ۔ امتحان ہوا تو وہ میرے پاس بیٹھا ۔ اس نے میرے اردو فارسی کے پرچے دیکھ کر نقل کر لیے اس لیے ہم دونوں کو فیل کر دیا گیا ۔ لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب کو میرے متعلق بہت حسن ظن تھا ۔ ڈھونڈ میں مجھ کو مدرس مقرر کر دیا گیا اور ساتھ ہی حکم دے دیا گیا کہ ایک اور ماسٹر ، جس کا نام علی محمد تھا ، اسی جگہ کام کرے گا ۔ تنخواہ دو حصے وہ پائے اور

تیسرا حصہ مجھے ملا کرے ۔ جب میں پاس ہوگیا تو مجھے پندرہ روپے ماہوار پر سمبڑیال میں نائب مدرس مقرر کر دیا گیا ۔ چارج لینے کے لیے وہاں پہنچا تو وبائے ہیضہ کے باعث سکول بند ہو چکا تھا ۔ اسی اثنا میں ظفر وال کے مدرس کا انتقال ہوگیا اور مجھے بیس روپے ماہوار پر ظفروال کی مدرسی مل گئی ۔

اس طرح میرے روزگار کا اچھا بندوبست ہوگیا اور اس کا ذریعہ مولوی میر حسن صاحب ہی تھے ۔ میں ان کا شاگرد بھی تھا اور عقیدت مند بھی ۔ انھوں نے مجھ پر گراں بہا احسان بھی فرمایا تھا ۔ ہر مہینے ایک مرتبہ ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ۔ مولوی صاحب کا ذاتی مطالعہ بہت وسیع تھا ۔ کالج میں استاد تھے ۔ چالیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۔ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ ان کے کپڑے عموماً کھدر کے رہے ۔ صرف پگڑی ململ کی ہوتی تھی ۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا ”شاہ صاحب کپڑے اچھے پہنا کرو“ فرمایا ”اگر نوکری نہ رہی تو کیا کروں گا ۔“ مولوی صاحب سرسیّد سے بھی بہت ملتے تھے ۔ ایک مرتبہ سرسیّد سے ملنے لاہور بھی گئے تھے ۔

مولوی سید میر حسن کے پاس ہندو بھی بہت آتے تھے ۔ ہری چند گوجرانوالہ کا تحصیل دار ان کی بہت عزت کرتا تھا ۔ تعطیلات میں ان کے گھر بھی جاتا تھا ۔ وہ سیالکوٹ میں اپنی خالہ کے گھر رہتا تھا ۔ مولوی صاحب بہت کفایت شعار تھے ۔ پوری تنخواہ اپنے

والد صاحب کو دے دیتے تھے ، پھر جس چیز کی ضرورت ہوتی ان سے مانگ لیتے۔

(ہم نے مولوی عبدالعزیز سے یہ بھی پوچھا کہ اس زمانے میں سیالکوٹ کے مشہور علم دوست کون کون تھے ؟ فرمایا) مولوی غلام حسن جو آغا شہباز کے بچوں کو پڑھاتے تھے اور ٹیلہ ککے زئیاں میں رہتے تھے ۔ مولوی غلام مرتضٰی صاحب کبوتروں والی مسجد میں پڑھاتے تھے اور مولوی مزمّل صاحب بڑی مسجد میں ۔ مولوی میر حسن صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں ؟ فرمایا ''میں مسلمان ہوں'' ۔ پوچھنے والے نے کہا ''پھر آپ کو 'وہابی' سمجھنا چاہیے ۔'' اصل میں مولوی صاحب ہر مذہب ، ہر مکتبۂ فکر اور ہر عقیدے کے لوگوں سے ملتے تھے اور کسی پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے ۔

☆ ☆ ☆

سیّد ذکی شاہ

[سیّد ذکی شاہ ، مولانا سیّد میر حسن مرحوم کے فرزند تھے اور اقبال کے ہمجولی ۔ ہم نے ان سے اقبال اور ان کے استاد کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کیں ۔ ان روایات میں جہاں جہاں ''میرے والد'' کے الفاظ آئے ہیں ، ان سے مراد مولانا سیّد میر حسن مرحوم ہیں] ۔

۱

مولانا غلام حسن مرحوم کے اُستاد مولوی غلام مرتضٰی صاحب تھے ۔ وہ سابووال ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور سیالکوٹ میں بھی ان کا ایک مکان تھا ۔ مولانا غلام حسن کا ذاتی مطالعہ بڑا وسیع تھا ۔ وہ صاحبِ ذکر بھی تھے ۔ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی سے حدیث پڑھی ۔ امیرالملک والا جاہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی سے بھی سندِ حدیث حاصل کی ۔ انھی کی وجہ سے اہلِ حدیث کی تحریک سیالکوٹ میں پھیلی ۔ میرے والد (مولوی سیّد میر حسن) اور ڈاکٹر اقبال کے والد شیخ نور محمد ان کے خاص دوستوں اور ہم نشینوں میں سے تھے ۔ مولانا غلام حسن ، آغا شہباز کے فرزندوں

محمد اکبر اور محمد اصغر کو پڑھایا کرتے تھے ۔ (محمد اکبر ، آغا صفدر بیرسٹر ایٹ لاء کے والد تھے) جب اس بات کی شہرت ہوئی کہ مولانا غلام حسن اہلِ حدیث ہیں تو اُنھوں نے آغا شہباز کے فرزندوں کی اتالیقی چھوڑ دی ، حالانکہ آغا شہباز اصرار کرتے رہے کہ آپ بچوں کی تعلیم کا کام جاری رکھیں ۔ مولانا کے دوست بھی اُنھیں مجبور کرتے رہے کہ جب آغا صاحب خود اصرار کرتے ہیں تو آپ کیوں اتالیقی چھوڑتے ہیں ۔ وہ جواب میں کہتے "کیا آغا صاحب کی طرف سے جواب مل جانے کا انتظار کروں ؟" (اس روایت کی تصدیق مولوی میر ابراہیم صاحب اور دوسرے اصحاب نے بھی کی) ۔

۲

میرے والد سیّد میر حسن مدت تک عیدگاہ کے پیش نماز رہے ۔ جب ان کے متعلق مشہور ہوا کہ وہ اہلِ حدیث ہیں تو خود پیش امامی چھوڑ دی ۔

۳

میرے والدِ ماجد کی تاریخِ پیدائش ۱۴ ربیع الاول ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۸۴۴ع یومِ دو شنبہ ہے ۔ "رونق بخش" ان کا تاریخی نام تھا ۔ ان کے والد کا نام محمد شاہ تھا ۔ والد نے ابتدائی کتابیں مولوی شیر محمد صاحب سے پڑھیں جو دو دروازوں والی مسجد کے پیش امام تھے ۔ پھر جو کچھ حاصل کیا وہ ان کا ذاتی مطالعہ تھا ۔ قرآن مجید

آنھوں نے اپنے والد سیّد محمد شاہ سے پڑھا ۔ جب ایک پارہ پڑھ چکے تو والد نے فرمایا کہ آموختہ سناؤ ۔ کہنے لگے ''زبانی یا قرآن مجید سامنے رکھ کر ؟'' وہ حیران رہ گئے ۔ جب دیکھا کہ پورا پارہ حفظ کر چکے ہیں تو حفظ کا حکم دیا ۔ اس طرح والد صاحب ابتدا ہی میں حافظِ قرآن ہو گئے ۔

وہ روزانہ صبح کے وقت قبرستان جاتے تھے ۔ جاتے آتے قرآن مجید کی ایک منزل ختم کر لیتے تھے ۔ تقریباً ایک پارہ روزانہ تہجّد میں پڑھتے تھے ۔ اس طرح مہینہ بھر میں قرآن پاک ختم ہو جاتا تھا ۔ اس کے علاوہ رمضان میں بھی قرآن مجید ختم کرتے ۔ ان اوقات کو چھوڑ کر بھی قرآن کی تلاوت کرتے اور اپنے قلم سے ترجمہ اور تفسیر لکھتے (سیّد ذکی شاہ صاحب نے ہمیں قرآن مجید کا ایک نسخہ دکھایا جس کے ہر دو صفحے کے درمیان سفید اوراق لگے ہوئے تھے ۔ آن سفید اوراق پر مولوی سیّد میر حسن نے اپنے قلم سے جابجا ان آیات کا ترجمہ لکھ رکھا تھا جو سر سیّد احمد خاں اپنے مضامین میں کرتے تھے ۔ یہ قرآن مولوی میر حسن صاحب کے تبرّکات کے طور پر اب تک ان کے خاندان میں محفوظ ہے) ۔

والد صاحب کو طب ، جبر و مقابلہ ، اقلیدس ، ریاضی ، تاریخ ، تفسیر ، حدیث ، فقہ غرض تمام علوم پر عبور حاصل تھا ۔ عربی ، فارسی اور آردو کے ہزارہا شعر انھیں یاد تھے اور بات بات پر برمحل اشعار پڑھتے تھے ۔

۴

میرے والد پہلے پہل میونسپل سکول میں نو روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ پھر سکاچ مشن سکول میں چلے گئے۔ پہلے انھیں وزیرآباد کے سکول میں بھیجا گیا۔ وہاں ہر ہفتے پیدل جاتے اور پیدل آتے۔ تقریباً پچیس میل کا فاصلہ تھا۔ سستانے کے لیے منزلیں مقرر کر رکھی تھیں۔ تین برس وہاں رہے، پھر انھیں سیالکوٹ بلا لیا گیا۔

اُس وقت تک اقلیدس نہیں پڑھی تھی۔ پادری نے ایک مرتبہ کہا: ''اب بچوں کو اقلیدس پڑھائیے۔'' اس زمانے میں ایک اُستاد سردار دیال سنگھ بڑا اقلیدس داں تھا۔ نشہ پانی کرتا تھا اور زیادہ شراب پی جانے ہی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ والد صاحب سے عربی فارسی پڑھتا تھا۔ اُس نے کہا آپ تیار ہو جائیں، میں اقلیدس پڑھا دوں گا۔ چنانچہ روزانہ اُس سے پڑھ کر جاعت کو پڑھاتے تھے۔ اس طرح خود اپنی محنت سے والد صاحب نے اقلیدس میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ والد صاحب کا مشغلہ تعلیم و تدریس کے سوا کچھ نہ تھا۔ شاگردوں سے وقت مقرر کر لیے جاتے تھے۔ سکول اور کالج جاتے اور آتے پڑھاتے تھے۔ بازار سے سودا سلف لینے جاتے تو اس وقت بھی کوئی نہ کوئی طالب علم کتاب لیے ساتھ ہو جاتا، کچھ نہ کچھ پڑھتا جاتا۔ ان کی زندگی کا پروگرام یوں تھا: تہجد کے لیے اٹھتے، نماز پڑھتے۔ صبح کی نماز کے بعد قبرستان چلے جاتے۔ واپس آتے تو

کھانا کھا کر سکول چلے جاتے (یہ اُس زمانے کی بات ہے جب سیالکوٹ میں کالج نہ تھا ، صرف سکول تھا) ۔ گرمیوں میں سکول سے گھر نہیں آتے تھے ۔ وہیں لڑکے روک لیتے اور کھانا گھر سے چلا جاتا ۔ وہیں کھانا کھا کر دھوپ کم ہونے تک بیٹھے رہتے ۔ اس اثنا میں بھی شاگردوں کو سبق دیتے رہتے ۔ گھر کا سودا خود لاتے ۔ عشاء کی نماز کے بعد سو جاتے ۔

۵

ان کی ایک ہمشیرہ تھیں جو ۱۸۷۵ع یا ۱۸۷۶ع میں سخت بیمار ہوگئیں ۔ والد نے اُن کی بڑی تیمارداری کی لیکن صحت نہ ہوئی اور ان کی زندگی سے ایک گونہ مایوسی ہوگئی ۔ ایک روز پوچھا کہ کیا حال ہے ؟ ہمشیرہ نے کہا ''میں مر جاؤں گی اور قبر میں اکیلی رہوں گی ۔ کوئی دعا کے لیے بھی وہاں نہیں جائے گا'' ۔ والد نے کہا ''میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت رہے گی ، روزانہ تمھاری قبر پر آؤں گا'' ۔ والد صاحب نے اس عہد کو عمربھر نبھایا ، کبھی ناغہ نہ کیا ۔ چنانچہ کوئی موسم ہو ، مینہ برسے یا آندھی چلے ، والد صاحب سیالکوٹ میں موجود ہوں ، کہیں باہر نہ گئے ہوں تو صبح کی نماز پڑھتے ہی قبرستان چلے جاتے ، وہاں ہمشیرہ اور والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے ۔ جن آدمیوں کو ان سے ملنا جلنا ہوتا وہ اکثر انھی اوقات میں قبرستان جاتے یا

آتے وقت راستے میں مل لیتے - ۱۹۲۷ع یا ۱۹۲۸ع میں ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی - پھر قبرستان جانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی - گویا کم و بیش پچاس برس تک نہایت پابندی سے اس عہد کو نبھاتے رہے جو اپنی ہمشیرہ سے کیا تھا -

جناب محمد مسیح پال امین حزیں نے اور دوسرے متعدد حضرات نے اس کی تصدیق کی - امین حزیں کہتے تھے کہ مولانا کی یہ ادا مجھے اتنی پسند آئی کہ اپنے دل میں عہد کیا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ ان کی قبر پر ضرور جایا کروں گا - چنانچہ اس عہد کو برابر پورا کر رہا ہوں اور ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور فاتحہ پڑھ کر آتا ہوں -

٦

گارڈن کالج راولپنڈی ، گورنمنٹ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج پشاور سے انہیں باصرار بلاوے آئے ، اور بہت زیادہ تنخواہ دینے کا لالچ دیا گیا ، لیکن والد صاحب نے انکار کر دیا اور سکاچ مشن کالج کی ملازمت نہ چھوڑی -

گھر میں ہوتے تو لڑکے اور لڑکیوں کو تعلیم دیتے -

۷

ان کے ایک نہایت عزیز دوست شیخ اللہ داد تھے - ان سے روزانہ

ملتے اور اتوار کو ان کے ساتھ کھانا کھاتے ۔ ۳۵ سال تک اس معمول میں کبھی فرق نہ آیا ۔ شیخ اللہ داد کی وفات پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا ۔ شیخ اللہ داد زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن شعر فہمی میں انہیں کمال حاصل تھا ۔ میرے والد مشکل سے مشکل اشعار ان سے حل کراتے ۔

شیخ اللہ داد ، سائیں کیسر شاہ ساکن وائیں کے مرید تھے اور ان کے ہاں اکثر جایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ والد صاحب کو بھی لے گئے ۔ سردیوں کا موسم تھا ، رات سخت اندھیری تھی ۔ والد صاحب سناتے تھے کہ ہم یکّے پر جا رہے تھے ، نہ گاؤں کا پتہ چلا ، نہ راستے کا سراغ ہاتھ آیا ۔ مجبور ہو کر میں نے شیخ اللہ داد سے کہا کہ بھائی ! اَب کیا کریں؟ وہ بولے ٹھیرو مجھے اُترنے دو ۔ یکّے سے اُتر کر زمین سونگھی ، پھر بولے گاؤں آ گیا ، کسی کو آواز دو ۔ چنانچہ آواز پر لوگ آ گئے اور ہمیں لے گئے ۔ صبح کو سائیں کیسر شاہ نے پوچھا ''اللہ داد کیا کھاؤ گے ؟'' شیخ نے کہا ''گھیا توری'' ۔ گھیا توری کا موسم نہ تھا ۔ سائیں کیسر شاہ بولے ''اچھا چل کر دیکھتے ہیں'' ۔ گئے تو کھیت میں گھیا توری مل گئی ۔

حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کو بھی ایک دفعہ ملاقات کے لیے لے گئے ۔ اُس وقت سائیں کیسر شاہ کو کسی مرید نے آ کر سجدۂ تعظیمی کیا ۔ حافظ صاحب بہت منغص ہوئے ۔ مرید پیچھے ہٹا تو

سائیں کیسر شاہ نے کہا ”مولوی صاحب ! آپ حیران نہ ہوں ، جیسے یہ لوگ ہیں ، ان کا خدا بھی میرے جیسا ہوتا ہے ۔“

۸

ڈاکٹر اقبال نے اپنی ابتدائی مشق میں غزلوں کی اصلاح میں میرے والد سے فیض حاصل کیا ، جس کا ذکر وہ اکثر کیا کرتے تھے ۔ ایسی ہی ایک نظم ”بانگِ درا“ میں بھی چھپی ہے ۔ ابتدائی زمانے کا ایک شعر ہے ۔ وہ کہیں نہیں چھپا ۔ شعر یہ ہے :

مجھے اقبال اس سیّد کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو ان کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

۹

میرے والد سے شیخ اللہ داد ، امیر بخش ، کریم بخش عرف عبدالکریم اور ڈاکٹر صاحب کے والد شیخ نور محمد کے بہت گہرے تعلقات تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کے والد کی دکان پر سب لوگ جمع ہوتے تھے ۔ میرے والد ، شیخ نور محمد صاحب کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ ان پڑھ فلسفی ہے ۔ لوگ تصوف کی مشکل کتابیں پڑھتے تھے اور ان کتابوں کے مشکل مطالب کی تشریح شیخ نور محمد سے پوچھا کرتے تھے ۔

ہمارے محلے میں کشمیری باشندے بہت رہتے تھے ۔ ان میں سے اکثر غریب تھے ۔ والد صاحب انھیں رات کے وقت تعلیم دیا کرتے تھے ۔

فلوگل کی ''نجوم الفرقان'' شروع شروع میں چھپ کر آئی تو میرے والد صاحب نے اس کو نقل کرنا شروع کیا۔ کتاب کی قیمت ۲۶ روپے تھی اور والد صاحب اتنے روپے صرف نہیں کر سکتے تھے۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر اقبال آ گئے۔ ان کو معلوم ہوا تو فلوگل کا ایک نسخہ منگوا کر والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۱۰

آخری وقت میں میرے والد کی تنخواہ ۱۲۰ روپے ماہوار تھی۔ جب آنکھوں کا آپریشن کرایا اور تعلیم دینے کے قابل نہ رہے تو سکاچ مشن والوں نے پوری تنخواہ بطور پنشن مقرر کر دی۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو فوت ہوئے تو ستمبر کے مہینے کی بھی تنخواہ پوری دے دی گئی۔ سکاچ مشن ہال کو والد صاحب کی یاد میں ''مولوی میر حسن ہال'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ پروفیسر شیخ عطاء اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، تو سکاچ مشن والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ بڈھے بیل کو بھس دیے جاتے ہیں۔

۱۱

غریب کشمیری بافندوں میں سے ایک کا نام فضل الدین تھا۔ ان کے فرزند ماسٹر غلام محمد تھے جن کی پوری تعلیم و تربیت میرے

١٦

ان کی موجودگی میں کبھی گاڑی پر سوار نہ ہوتے ۔

جس زمانے میں والد صاحب وزیر آباد کے سکول میں پڑھاتے تھے ، وہاں حاکم رائے نام ایک طالب علم تھا جو مدرسہ چھوڑ چکا تھا ۔ والد نے اسے بلایا ، تعلیم کی ترغیب دی اور شوق سے پڑھایا ۔ پھر اس میں اس قدر ذوق و شوق پیدا ہو گیا کہ تعلیم میں اعلٰی درجہ حاصل کیا ۔ ملازمت اختیار کی تو پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوا ۔

١٢

(ہم نے لوگوں سے اکثر سنا تھا کہ مولوی صاحب ہمیشہ اُردو بولتے تھے ، پنجابی میں شاذ ہی بات کرتے تھے ۔ سیّد ذکی شاہ سے یہ سوال بھی کیا کہ مولوی صاحب نے کس بنا پر اُردو بولنا شروع کی ؟ اُنھوں نے فرمایا) :

غدر کے بعد احمد شفیع نام ایک صاحب پھرتے پھراتے خستہ حال سیالکوٹ پہنچے ۔ وہ اپنے والد اور بھائی سے جدا ہو گئے تھے ۔ ان کے پاس گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ تھا ۔ ایک انگریز کی کوٹھی کے سامنے سے گزرے تو وہ ایک آدمی سے باتیں کر رہا تھا ۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اُردو کا امتحان لیا جا رہا ہے ۔ یہ بھی تیار ہو گئے ۔ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور ١٠ روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہو گئی ۔ کبوتروں والی مسجد میں رہنے لگے ۔ پھر کچھ

والد صاحب نے کی ۔ اپنے ساتھ سکول لے گئے ، فیس معاف کرادی اور پڑھا کر اس پیمانے تک پہنچا دیا کہ وہ پنجاب کے کامیاب ترین ہیڈ ماسٹروں میں شمار ہونے لگے ۔ ان کے فرزند ڈاکٹر عبدالحمید بٹ محکمۂ حفظانِ صحت کے ڈائرکٹر بن کر ریٹائر ہوئے ۔ (دو ایک شاگردوں کے سوا مولوی صاحب مرحوم نے کسی سے کبھی کوئی کام نہیں لیا ۔ ان میں سے ایک ماسٹر غلام محمد تھے ۔ دوسرے شاگرد جن سے خدمت لی ، ڈاکٹر جمشید علی راٹھور تھے) ۔

ہمارے کپڑے ایک غیر مسلم دھوبن دھوتی تھی ۔ اس کا لڑکا بھی ساتھ آیا کرتا تھا ۔ والد صاحب نے اسے پڑھانا شروع کیا تو وہ مسلمان ہو گیا ۔ اس کا نام رکن الدین رکھا گیا اور پوری تعلیم دلوائی ۔ اس کے ساتھ والد کا ایک شاگرد نہال سنگھ تھا ۔ رکن الدین اور نہال سنگھ دونوں میٹرک ، ایف ۔ اے ، بی ۔ اے ، ایم ۔ اے اور مقابلے کے امتحانوں میں برابر اول و دوم نکلتے رہے ۔ رکن الدین سیشن جج کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے ۔ نہال سنگھ پہلے ڈپٹی کمشنر بنے ، پھر پٹیالہ میں انھیں وزارت کا عہدہ ملا ۔

ان دونوں عقیدت مندوں کا یہ حال تھا کہ رکن الدین ، والد سے ملنے آتے تو واپس ہوتے وقت پچھلے پاؤں چلتے ۔ کبھی پیٹھ والد صاحب کی طرف کر کے نہ چلتے ۔ نہال سنگھ کی یہ کیفیت تھی کہ گاڑی پر سوار جا رہے ہوتے ۔ جہاں والد صاحب پر نظر پڑتی ، گاڑی روک کر اتر جاتے اور ادب سے ان کے قدم بقدم پیدل چلتے ۔

دنوں کے بعد ان کا بھائی محمد شفیع پہنچ گیا اور تین جمعہ بعد باپ بھی مل گیا ۔ پھر احمد شفیع کی ترقی کا دور شروع ہوا ۔ پہلے وزیر آباد میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے، پھر تعلیم کا محکمہ چھوڑ کر مال کے محکمے میں ملازمت اختیار کر لی اور وہیں کمشنر کے سررشتہ دار ہو گئے اور افسر مال کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے ۔ مہدی بیگم جن سے مولوی سید ممتاز علی نے شادی کی، وہ اُنھی احمد شفیع کی صاحبزادی تھیں ۔ والد صاحب ان سے بہت ملتے ملاتے رہے ۔ اُس وقت سے اُردو بولنے کا محاورہ ہوا ۔

والد صاحب ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں ہر سال جاتے تھے ۔ ایک دفعہ لاہور میں ریلوے ٹیکنیکل سکول میں اجلاس ہوا ۔ چودھری خوشی محمد ناظر نے نظم پڑھی ۔ اس کا ایک مصرع یہ تھا :

کل خوابِ گراں جو مجھ کو آئی

والد صاحب نے بعد میں فرمایا کہ بھئی ! آپ نے 'خواب' کو مونث کیسے باندھا ؟

۱۳

لاہور کے اجلاس میں، جو غالباً ۱۸۹۵ء میں ہوا، ممبری کا ٹکٹ کھو گیا ۔ بارش شروع ہو گئی ۔ جلسے میں گئے تو والنٹیروں نے روک لیا ۔ نواب محسن الملک نے دُور سے انھیں دیکھا تو پکار کر کہا کہ ارے ان کو روکتے ہو جنھوں نے کانفرنس بنائی ۔ پھر آپ نے والد صاحب کو ڈائس پر بٹھایا ۔

۱۸

سرسید لاہور پہنچے تو سٹیشن پر بڑا ہجوم تھا ۔ میں اور والد صاحب جہاں کھڑے تھے ، سرسیّد کا ڈبہ اسی جگہ آ کر ٹھہرا ۔ علی بخش منہار پہلوان ہمارے ساتھ تھا ۔ اس نے دونوں بازو پھیلا کر سرسیّد کو اُتارا ۔ پھر کندھے پر اٹھا کر باہر پہنچایا ۔ سرسیّد نے علی بخش پہلوان کو پاس بٹھا لیا ۔ کپور تھلہ ہاؤس میں ان کا قیام تھا ۔

ایک مرتبہ سرسیّد پنجاب آئے تو گرمیوں کا موسم تھا ، لُو چل رہی تھی ۔ والد صاحب پاس بیٹھے تھے ۔ سرسیّد نے کہا ”کیا یہ پنجاب ہے جسے انتخابِ ہفت کشور کہتے ہیں ؟“ والد صاحب نے برجستہ جواب دیا ”جی ہاں ! اگر ہندوستان جنّت نشان ہے تو پنجاب ضرور انتخابِ ہفت کشور ہے ۔“

اسی زمانے میں سرسیّد کو سخت بخار آ گیا ۔ ڈاکٹر رحیم خاں نے علاج کیا ۔ ایسی دوا تجویز کی جس سے اجابت ہوئی ، پسینہ آیا اور بخار اُتر گیا ۔ سرسیّد نے کہا ”ڈاکٹر صاحب ! مسیحائی آپ کر رہے ہیں اور خطاب قادیان پہنچ گیا ۔“

۱۴

والد صاحب ایک روز بازار گئے ۔ میوہ فروش کی دکان سے گزرے تو اس نے کہا کہ ”مولوی صاحب ! سردا بہت اچھا ہے ، لے لیجیے ۔“ پوچھا ”بھئی ! بھاؤ کیا ہے ؟“ اس نے کہا ”آٹھ آنے

میر" - والد نے پنجابی میں کہا "نہیں بھائی ! مینوں نہیں سردا -"

ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے - لوگوں کو پانی پلایا جا رہا تھا - کسی نے کہا "بھائی ! جگ مولوی صاحب کی طرف بھی لاؤ" - فرمایا "جگ آئے گا تو جگ دیکھے گا -"

آپ کا ایک شاگرد چڑت سنگھ تھا - وہ سیشن جج بن گیا تھا - وہ بھی آپ کا بڑا احترام کرتا تھا - جہاں آپ کو دیکھتا ، گاڑی سے اتر پڑتا -

آپ کا ایک شاگرد جگن ناتھ دہلی میں تھانیدار تھا - اس کے تین بیٹے تھے - رام جی داس ، کب داس اورگوپال داس - والد صاحب ایک مرتبہ دہلی گئے - میں بھی ساتھ تھا - ان کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب مرد میرٹھ گئے ہوئے ہیں - عورتوں نے والد کی آواز پہچان لی - باصرار ٹھہرایا اور پوچھا کہ آپ کیا کھائیں گے ؟ فرمایا "کھچڑی - کھانا تیار کرو ، ہم پھر کر آئیں گے -" دو گھنٹے کے بعد ان کے ہاں پہنچے تو سب لوگ آ گئے تھے - ان کو عورتوں نے تار دے کر بلا لیا تھا - کھانا کھایا - جس کمرے میں انھیں ٹھہرایا گیا تھا ، اس میں نماز کے لیے مصلیٰ اور پانی کا لوٹا انھوں نے خود رکھا - ان لوگوں نے بڑی خاطر مدارات کی - گاڑی لے کر سارے شہر کی سیر کرائی اور بہت سے تحفے دے کر رخصت کیا - پھر ہم علی گڑھ چلے گئے -

میں ۱۹۰۵ع میں علی گڑھ جاتے ہوئے والد صاحب کے ساتھ دہلی ٹھہرا ۔ وہ مجھے ایک جگہ لے گئے اور کہا ''اس جگہ کو اچھی طرح سے دیکھ لو ۔ میں ۱۸۷۳ع میں دہلی آیا تھا اور اس جگہ پہنچا تھا تو ایک شخص نے ''محمد ذکی ، محمد ذکی'' کہہ کر دوسرے کو آوازیں دی تھیں ۔ میں نے دل میں کہا ، اگر خدا نے مجھے لڑکا دیا تو اس کا نام محمد ذکی رکھوں گا اور یہ جگہ اسے دکھاؤں گا ۔ اسی سال تم پیدا ہوئے ۔ میں نے محمد ذکی نام رکھا ۔ اب خدا نے دوسری مراد بھی پوری کردی اور تمھیں یہ جگہ دکھا دی ۔''

۱۵

ڈاکٹر اقبال ولایت سے واپس آئے تو والد صاحب نے شوق سے انھیں دساتیر (قانون) سبقاً سبقاً پڑھائے ۔

۱۶

ہمارے بہنوئی سید خورشید انور کو 'دق' کا عارضہ ہو گیا تھا ۔ والد صاحب انھیں حکیم نور الدین کو دکھانے کے لیے قادیان لے گئے ۔ مسجد میں جا کر اس دریچے میں بیٹھے جہاں مرزا صاحب بیٹھتے تھے ۔ لوگوں نے وہاں سے اٹھا دیا ۔ پھر وہ دریچے کے پاس بیٹھ گئے ۔ مرزا صاحب آئے تو سلام کا جواب دے کر بیٹھ گئے اور متوجہ نہ ہوئے ۔ والد نے کہا ''شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں ؟'' مرزا صاحب نے دیکھا تو بڑی محبت اور تپاک سے ملے ۔ عبدالکریم کی ڈیوٹی لگا دی کہ مولوی صاحب کو اچھی جگہ ٹھہراؤ ۔ اور دو باتوں کی خاص تاکید

کی ؛ ایک یہ کہ مولوی صاحب کو صبح صبح بھوک لگتی ہے۔ انھیں ہر وقت ان کی مرضی کے مطابق کھانا دیا جائے۔ دوسرے انھیں کتابوں کا بہت شوق ہے۔ اچھی کتابیں پڑھنے کے لیے دی جائیں۔ ساتھ ہی کہا کہ صبح چائے میرے ساتھ پئیں۔ بہت تواضع کی۔ جب واپس لوٹے تو مرزا صاحب والد صاحب کے یکّے کے ساتھ ساتھ دو میل چل کر پکی سڑک پر آئے اور کہا ''کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ باتیں علیحدگی میں ہوئیں اور کبھی کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ کیا باتیں ہوئیں۔ چند باتوں کا ذکر والد صاحب نے کیا لیکن انھیں راز میں رکھنے کا کوئی عہد نہ تھا۔ مثلاً مرزا صاحب نے پوچھا ''میں جو کچھ کر رہا ہوں، کیا یہ دکان داری ہے؟'' والد صاحب نے جواب دیا ''یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے آپ کے رجسٹر نہیں دیکھے، آمدن و خرچ کے حساب کی پڑتال نہیں کی۔ اس حالت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' یہ باتیں بھی ہوئیں :

مرزا صاحب : مسیح فوت ہوگیا۔

والد صاحب : فوت ہوگیا ہوگا۔

مرزا صاحب : وہ دوبارہ آئے گا تو کیا کرے گا؟

والد صاحب : یہ مسیح کو معلوم ہے۔

بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مرزا صاحب کی بیعت کی؟ جواب دیا کہ نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے بیعت کے لیے کہا بھی کہ نہیں؟ فرمایا ''نہیں''۔

ڈاکٹر اقبال کے والد شیخ نور محمد پہلے دھسّوں کی تجارت کرتے تھے، پھر برقعوں کی ٹوپیاں بنانے لگے ۔ ٹوپیاں اتنی عمدہ بناتے تھے کہ خاصے مشہور ہوگئے تھے اور کئی آدمی ملازم رکھ کر دکان چلائی ۔ ان کے درزی کپڑے بھی سیتے تھے ۔ بیچ میں وزیر علی مال افسر کے ہاں ملازم بھی ہوگئے تھے ۔ دکان اس وقت چھوڑی جب ڈاکٹر صاحب بہت مشہور ہوگئے اور انھوں نے مجبور کیا کہ اب کام چھوڑ دیں اور آرام کریں ۔

ڈاکٹر صاحب اور ان کے بھائی بہنوں کی کیفیت یہ تھی :

(الف) سب سے بڑے ڈاکٹر صاحب کے بھائی شیخ عطا محمد تھے ۔

(ب) ان سے چھوٹی ڈاکٹر صاحب کی بڑی ہمشیرہ مسمات "جیونی" تھیں ۔

(ج) ڈاکٹر صاحب کی دوسری ہمشیرہ "کرم بی بی" تھیں ۔

(د) ڈاکٹر صاحب ۔

(ہ) ڈاکٹر صاحب کی سب سے چھوٹی ہمشیرہ زینب بی بی تھیں جن کی شادی وزیرآباد میں ہوئی ۔[1]

ڈاکٹر صاحب کی والدۂ ماجدہ کا نام "امام بی بی" تھا ۔ وہ اگرچہ

۱۔ اقبال درونِ خانہ ، روزگار فقیر اور منظور احمد صاحب ہمشیرزادۂ علامہ اقبال کے بیان کے مطابق حضرتِ علامہ کی چار بہنیں تھیں ۔

پڑھی لکھی نہ تھیں، لیکن محلے اور اردگرد کی تمام عورتوں میں خاص عقل اور سمجھ کی خاتون سمجھی جاتی تھیں اور ڈاکٹر صاحب کی شہرت و عظمت سے پیشتر بھی تمام خاندانوں کی عورتیں اس خاتون کا بے حد احترام کرتی تھیں۔

ابتدا میں ڈاکٹر صاحب کو تعلیم دینے کے لیے مولانا غلام حسن مرحوم کے پاس پہنچایا گیا۔ والد صاحب وہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ گئے تو ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر پوچھا "کیا نام ہے؟ کس کے بچے ہو؟" سب کچھ معلوم ہوا تو ڈاکٹر صاحب کے والد سے کہا "اپنے بچے کو میرے پاس لاؤ، میں اسے پڑھاؤں گا۔" اس طرح والد کے ساتھ تعلق پیدا ہوا جو آخری دم تک قائم رہا۔ ڈاکٹر صاحب پڑھنے کے علاوہ میرے بڑے بھائی میر محمد تقی کے ساتھ کبوتر بھی آڑایا کرتے تھے۔

۱۸

میرے والد کے چچیرے بھائی حکیم حسام الدین عمر میں پانچ سال ان سے بڑے تھے۔ وہ بڑے سخت مزاج اور درشت تھے۔ ان کے مقابلے میں والد صاحب بہت ہی حلیم الطبع تھے۔ میر حسام الدین احمدی ہوگئے تھے۔ وہ مرزا صاحب کی ایک دو کتابیں لے کر والد صاحب کے پاس آئے اور کچھ عبارتیں دکھا کر غصّے میں بولے:

کہو مسیح فوت ہوگیا کہ نہیں؟

والد صاحب : فوت ہوگیا ہوگا ۔

میر حسام الدین : پھر آئے گا ؟

والد صاحب : میر فیض اللہ[1] مر کر آئے ہیں ؟

میر حسام الدین یہ سن کر بےاختیار بولے "بےایمان ، کافر ، منکرِ خدا و رسول" اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے ۔ میر حسام الدین کی نظر کمزور تھی ۔ ان کے مکان اور ہمارے مکان کی ڈیوڑھی ایک تھی ۔ کوئی شخص سیڑھیوں پر اترتا چڑھتا تو پاؤں کی آہٹ سن کر پوچھتے "کون ؟" ایک دن میر حسام الدین سیڑھیوں سے اتر رہے تھے کہ والد وہاں پہنچ گئے ۔ میر صاحب نے پوچھا "کون ؟" والد نے کہا "بے ایمان ، خدا و رسول کا منکر ۔" میر حسام الدین نے یہ سنتے ہی انھیں جوشِ محبت سے گلے لگا لیا ۔ بولے "بھیا تمھاری ان ہی باتوں نے تو ہمیں مارا ہوا ہے ۔"

میر بخش ایک ایف ۔ اے کا طالب علم تھا ۔ ایک مرتبہ پڑھاتے پڑھاتے اسے ڈانٹا ۔ وہ کہنے لگا "حضرت ! دیکھیے ، میر حسام الدین آپ کے بھائی ہیں مگر کتنے نرم خو ہیں اور آپ بڑے سخت ہیں ۔" والد صاحب نے فوراً کتاب بند کردی ۔ فرمایا "تم نے مجھ پر غلط الزام لگایا ہے ۔ اب جاؤ ، ایف ۔ اے پاس نہیں کرو گے ۔" چنانچہ وہ کبھی پاس نہ ہوا ۔

۱۔ میر فیض اللہ ، میر حسام الدین کے والد کا نام تھا ۔

۱۹

جس زمانے میں ڈاکٹر صاحب دسویں میں پڑھتے تھے اس جماعت کے لڑکوں نے ٹسٹ امتحان نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ کُل چودہ لڑکے تھے۔ صرف ایک ٹسٹ میں بیٹھا۔ باقی باہر رہے۔ ہیڈ ماسٹر نے فی کس دس روپے کے حساب سے جرمانہ کیا۔ لڑکے سخت پریشان تھے۔ آخر سب نے سوچا کہ ہیڈ ماسٹر مولوی صاحب کا شاگرد ہے، چلو مولوی صاحب کے پاس چلیں، شاید کچھ کام بن جائے۔ والد صاحب کو سارا قصہ سنایا اور سفارش کے لیے عرض کیا۔ فرمایا کہ میں تو بالکل سفارش نہیں کروں گا۔ پوچھا ''کیوں؟'' فرمایا ''لڑکوں نے ٹھیک نہیں کیا۔ میں ہوتا تو بیس روپے فی کس جرمانہ کرتا۔ اب جا کر جرمانہ ادا کرو اور امتحان میں بیٹھو۔'' چودہ میں سے ایک محمد حسین کے سوا سب فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب مڈل میں پڑھتے تھے۔ ایک روز والد گرمیوں کے موسم میں سکول میں دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ اقبال سے کہا کہ ''پانی لاؤ''۔ یہ پانی لینے گئے جو سخت گرم تھا۔ دو گھونٹ پیتے ہی کہا ''اقبال سچ بتانا کہاں سے لائے ہو؟ باہر کے مٹ سے؟'' اقبال نے کہا ''جی ہاں!'' والد نے فرمایا ''تم دنیا کے کام کے نہیں ہو۔''

۲۰

۱۸۹۳ء میں بہ عمر بیس سال ڈاکٹر صاحب نے انٹرنس کا

۲۶

امتحان دیا - نتیجہ ابھی نہیں نکلا تھا کہ شادی ہو گئی - سہرے کی رسم ادا ہو چکی تھی - ڈاکٹر صاحب گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے - بارات گجرات جا رہی تھی کہ تار آیا - میں نے ڈاکٹر صاحب کو تار دکھایا - اس میں پاس ہونے کی خوش خبری تھی - ڈاکٹر صاحب کی پہلی شادی خان بہادر ڈاکٹر عطا محمد کے ہاں ہوئی تھی - وہ بہت امیر آدمی تھے - پسرور کی پیراں دتی کنچنی (گانے اور ناچنے والی) ڈاکٹر صاحب کی بارات کے ساتھ گئی تھی -

اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کو مطالعے کا بہت شوق تھا - والد صاحب بھی انھیں بہت سی کتابیں دیتے تھے - ڈاکٹر صاحب اِدھر اُدھر سے بھی کتابیں لاتے تھے - نیلے رنگ کا تہمد باندھتے تھے - ہمارا اور ان کا محلہ ایک تھا ، مکان بالکل قریب - میرے والد اور ان کے والد میں گہری دوستی تھی - پھر میرے والد کی ان پر خاص توجہ تھی - ڈاکٹر صاحب سارا فاضل وقت ہمارے گھر میں گزارتے -

۲۷

اُس زمانے میں ہمارے شہر میں منشی میراں بخش صاحب جلوہ شعر کہتے تھے - وہ ذات کے قصاب تھے اور عرضی نویسی کرتے تھے - خدا جانے شعرگوئی کا ذوق کہاں سے پیدا ہوا - بکثرت شعر کہتے اور تُک بندی کرتے تھے - انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں بھی نظمیں پڑھتے تھے - اُس زمانے میں خزانے کے صدر کلرک ایک

ہندوستانی تھے ۔ جلوہ صاحب ان کو بہت شعر سنایا کرتے تھے ۔ ایک روز انھوں نے تنگ آ کر کہا کہ بھائی ! شعروں سے چھیچھڑوں کی بُو آتی ہے ۔

ایک مرتبہ جلوہ صاحب نے والد صاحب کو بھی شعر سنائے اور پوچھا ''یہ کیسے ہیں ؟'' والد صاحب نے کہا ''سچ پوچھتے ہو تو تم نے شعروں کا جھٹکا کر دیا ہے ۔''

۲۲

ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی شادی راٹھور خاندان میں ہوئی تھی ۔ وہ لوگ فوج میں ملازم رہ چکے تھے اور پنشن پاتے تھے ۔ انھی کی کوشش سے شیخ عطا محمد رسالے میں بھرتی ہوئے ۔ پھر رڑکی میں انجینئری کا امتحان پاس کیا اور اوورسیئر بن گئے اور M.E.S (ملٹری انجینئرنگ سروس) میں ملازم ہو گئے ۔ اس زمانے میں بہت روپیہ کمایا ۔ شیخ صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ۔ والد اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور پوچھا ''تم نے طلاق کیوں دی ؟'' شیخ صاحب نے کہا ''جناب ! وہ افیون کھاتی تھی''۔ والد صاحب نے فرمایا ''اگر تم کو افیون لگ جائے ؟ تم نے ایک بے گناہ پر ظلم کیا ۔'' چنانچہ آخری عمر میں شیخ عطا محمد خود بھی افیون کھانے لگ گئے تھے ۔

شیخ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے تعلیم میں بڑی مدد کی تھی ۔

ڈاکٹر صاحب نے بھی ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی - آخری عمر میں دونوں بھائیوں میں کسی قدر اجنبیت پیدا ہو گئی تھی - والد صاحب نے ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے کہا ''بھئی ، عطا محمد نے تمھاری بڑی خدمت کی ہے - اس خدمت کا حق ادا کرتے رہو''- ڈاکٹر صاحب نے کہا ''جی میں نے اصل مع سود ادا کر دیا ہے - یہاں تک کہ جدی مکان میں بھی حصہ چھوڑ دیا ہے -''

۲۳

چیت رام صاحب لدھیانوی خواجہ حافظ کا دیوان پڑھنے آتے تھے - اس زمانے میں والد صاحب کی آنکھوں کا آپریشن ہونے والا تھا - والد صاحب نے پہلے سبق پڑھایا - پھر آپریشن کرایا -

ڈاکٹر صاحب کا مکان سیالکوٹ میں جس بازار میں تھا ، اس کا پہلا نام صدر بازار تھا - پھر اسے دو دروازے والا بازار کہنے لگے - اب اس کا نام اقبال سٹریٹ ہے - اس سٹریٹ کے جس کوچے میں مولوی میر حسن کا مکان ہے ، اس کوچے کو کوچۂ میر حسام الدین کہتے ہیں -

پروفیسر عطاء اللہ نے بتایا کہ جس زمانے میں مولوی صاحب کی بینائی زائل ہو چکی تھی ، اس زمانے میں ایک طالب علم آپ کی خدمت میں پہنچا - مولوی صاحب نے اس کی صورت نہیں دیکھی

تھی ، اس لیے کہ بینائی زائل ہو چکی تھی - میں نے ایک روز کہا کہ یہ لڑکا صورت سے تو معصوم معلوم ہوتا ہے - کہنے لگے ''ہاں'' میں نے عرض کیا کہ آپ نے تو دیکھا نہیں ، پھر تصدیق کیسے فرمائی ؟ فرمایا کہ آواز سے پہچانتا ہوں -

۲۴

والد صاحب ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں جانا چاہتے تھے - ڈاکٹر اقبال اُس زمانے میں لاہور میں ایم - اے میں پڑھتے تھے - انھیں لکھا کہ ہمارے لیے ٹکٹ خرید لینا - ڈاکٹر صاحب نے چھاؤنی کی بجائے شہر میرٹھ کے ٹکٹ خرید لیے - اجلاس چھاؤنی میرٹھ میں ہونے والا تھا - والد صاحب نے اسی وقت کہہ دیا کہ اس سال ایم - اے کے امتحان میں پاس نہیں ہو گے - چنانچہ ڈاکٹر صاحب فیل ہوگئے -

۲۵

اُس زمانے میں مشنری لوگ عیسائیت کی تبلیغ میں بڑے سرگرم تھے - طالب علموں کو بھی عیسائیت کی طرف مائل کیا جاتا تھا - والد صاحب اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ عیسائیت کی تبلیغ کے اثرات دُور ہوتے رہیں - اگر کسی شخص کو عیسائیت کی طرف مائل پاتے تو خاص توجہ سے اس کے میلان کو دور کرنے کی کوشش کرتے -

۲۶

مولوی نورالدین ، مرزا غلام احمد اور میرے والد کے دوستانہ تعلقات تھے ۔ ایک مرتبہ مولوی نورالدین نے مرزا صاحب کے متعلق رائے پوچھی ۔ والد صاحب نے کہا کہ وہ عربی کی غلط تاویلیں پیش کرتے ہیں ، حالانکہ یہ کوئی اصولی چیز نہیں ۔ دوسرے معاملات میں ان کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے ۔ نیز مرزا صاحب کو لکھنا نہیں آتا ۔ جس کتاب کو اٹھاؤ ، حاشیہ در حاشیہ چلی جاتی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان کے دماغ میں کوئی مطلب صاف نہیں ۔

مولوی نورالدین نے اپنے متعلق پوچھا تو کہا کہ آپ تو سوال کا پورا جواب بھی نہیں دے سکتے ، تشنہ چھوڑ جاتے ہیں ۔ (پھر اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر پیش کیا) اور کہا کہ یہ میرے پاس آپ کا خط ہے ۔ میں نے آپ سے دوا پوچھی ۔ آپ نے دوا تو لکھ بھیجی لیکن یہ نہ بتایا کہ اسے کھاؤں ، سونگھوں ، گھس کر لگاؤں یا گھوٹ کر پیوں ۔ نہ وزن لکھا کہ ماشہ کھاؤں ، تولہ کھاؤں ، من کھاؤں ۔ حکیم نورالدین بالکل چپ ہو گئے ۔ ذکی شاہ صاحب نے بتایا کہ میرا تاریخی نام "احمد مختار" ہے ۔

۲۷

(مولوی سیّد میر حسن صاحب کے خاندان کی قبریں ایک الگ جگہ میں ہیں جہاں مولوی صاحب کی قبر کے علاوہ ان کے والد ،

والدہ ، ہمشیرہ اور ان کے صاحبزادے سیّد میر تقی کے نواسے کی قبریں ہمیں دکھائی گئیں ۔ باقی اہل خاندان بھی وہیں دفن ہوئے ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کے والد ، والدہ اور صاحبزادی کی قبریں امام صاحب (امام علی الحق) کے مقبرے کے قریب یک جا ہیں ۔ آپ کے بھائی شیخ عطا محمد کی قبر وہاں سے کسی قدر فاصلے پر عام قبرستان میں ہے ۔ مولوی سیّد میر حسن کے خاندانی قبرستان سے تھوڑے فاصلے پر ایک وسیع چار دیواری میں دو قبریں ہیں جن کے متعلق ہمیں بتایا گیا کہ ایک قبر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ہے اور دوسری عبدالحکیم ثانی کی) ۔

۲۸

پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے بتایا کہ جب مولوی میر حسن کی بینائی جاتی رہی تھی تو ایک روز فرمانے لگے کہ مسلمان نوجوان بڑے بے راہ رو ہوگئے ہیں ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کہاں پہنچیں گے ؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا ؟ فرمایا کہ جب کبھی بازار میں نکلا تو پیچھے سے تیزی کے ساتھ کوئی شخص اس طرح نکلا کہ جیسے اسے دوسرے رستہ چلنے والوں کا کوئی خیال نہ ہو ۔ میں نے جب کبھی کسی ایسے شخص کا بازو پکڑ کر پوچھا نہ بھائی ! آپ کون ؟ ہیں تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہیں ۔ کسی غیر مسلم سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی ۔

سید ذکی شاہ صاحب نے دوسری نشست میں فرمایا :

۱

ڈاکٹر صاحب کے دادا کی عمر معلوم نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کے والد شیخ نور محمد نے تقریباً ۹۰ برس کی عمر میں وفات پائی ۔ شیخ عطا محمد (برادرِ ڈاکٹر صاحب) کی عمر تقریباً اکاسی بیاسی سال کی ہوئی ۔ سالِ وفات ۱۹۴۰ع ہے ۔

۲

جہاں تک مجھے علم ہے ، ڈاکٹر صاحب کے دادا سیالکوٹ میں مقیم ہوئے تھے ۔ وہ دُھسّوں کی تجارت کرتے تھے ۔ ڈپٹی وزیر علی بلگرام سے آ کر مدتوں سیالکوٹ میں رہے ۔ اُنھوں نے ایک باغ لگوایا جو ڈپٹی کا باغ کہلاتا تھا ۔ ایک محلہ بھی ان کے نام سے آباد ہوا ۔ اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کے والد کو کپڑے سینے پر ملازم رکھا اور کپڑے سینے کی مشین سب سے پہلے ان کو منگوا کر دی ۔ برقعوں کی ٹوپیاں بنانے میں اُنھوں نے خاصی شہرت حاصل کی اور ٹوپیوں والے مشہور ہوئے ۔

۳

میاں فضل حسین نے سیالکوٹ میں بیرسٹری شروع کی ۔ ان کے دادا کی ایک کتاب میرے دادا کے پاس تھی ۔ اُنھوں نے میرے

دادا کو وصیت کی تھی کہ جس خاندان کی یہ کتاب ہے ، اسے
اُسی خاندان کے کسی آدمی کو دے دینا ۔ والد یہ کتاب میاں
صاحب کو دے آئے ۔ پھر کبھی کبھی ملنے چلے جاتے تھے ۔
دو سال گزر گئے تو والد صاحب نے میاں صاحب سے کہا کہ میرا
مشورہ ہے کہ آپ لاہور جا کر پریکٹس شروع کریں ۔ میاں صاحب
نے یہ بات مان لی اور لاہور پہنچے تو ان کی شہرت اور عروج کا
دور شروع ہو گیا ۔

۴

شیخ گلاب دین ، جو ڈاکٹر صاحب کے عزیز دوستوں میں
سے تھے ، سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور بہت غریب آدمی تھے
لیکن شرارتوں میں بھی بے مثال تھے ۔ شرارت ہی کی بنا پر سکول سے
نکال دیے گئے تھے ۔ میرے والد ایک روز بازار سے گزر رہے تھے ،
دیکھا کہ بازار میں دیاسلائی بیچ رہے ہیں ۔ یہ دیکھا تو کہا ''بھئی !
صبح آنا ۔ ہم سفارش کر کے سکول میں داخل کروا دیں گے ۔'' پھر
لالہ بھیم سین کے بیٹے لالہ کنور سین[1] کو پڑھانے کی ڈیوٹی لگا دی ۔
۲ روپے ماہوار ٹیوشن ملنے لگی ۔ فرمایا کہ ٹیوشن کا روپیہ میرے
پاس جمع کراتے رہو ۔

۱۔ لالہ کنورسین پڑھ لکھ کر پہلے لاہور کالج کے پرنسپل اور بعد میں
جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہوئے ۔ مولوی میر حسن
کی بہت تعریف کرتے تھے ۔

۵

اس طرح شیخ گلاب دین نے میٹرک پاس کیا ۔ داخلے کی فیس والد صاحب نے ان کی جمع شدہ رقم میں سے ادا کی ۔ پھر کہا ''لاہور جا کر مختاری کا امتحان پاس کرو ۔ ساتھ ساتھ بی ۔ اے اور ایم ۔ اے بھی پاس کرو ۔ بھوکے بھی مرنے لگو تو لاہور کو نہ چھوڑو ۔'' شیخ گلاب دین نے لاہور میں بڑی دولت کمائی ۔ کئی مکان بنائے ۔ قانونی کتابیں بھی لکھیں ۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا ۔

٦

ڈاکٹر صاحب کو گُردے کا درد ہو جاتا تھا ۔ ایک مرتبہ دورہ لمبا ہوگیا تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپریشن کرائیے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک طرف تو آپریشن کی تیاری شروع کی اور دوسری طرف یہ حالات میرے والد کو لکھ بھیجے ۔ آپریشن سے کچھ دیر پہلے والد صاحب کا خط پہنچا کہ آپریشن نہ کراؤ ۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ اب قطعاً آپریشن نہ کراؤں گا ۔ ماہر ڈاکٹر بہت کہتے رہے کہ استاد کے کہنے پر اپنی بیماری کا علاج نہ روکو ، لیکن ڈاکٹر صاحب نے یہی جواب دیا کہ میں شاہ صاحب کے ارشاد کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا ۔

۷

شروع شروع میں ڈاکٹر صاحب ہائی کورٹ بند ہو جانے پر

سیالکوٹ آ جایا کرتے تھے - کبھی کبھی باہر نکلتے تو میراں بخش عطار کی دوکان پر بیٹھتے اور وہیں دوست جمع ہو جاتے - میرے والد کو ''سیّد بادشاہ'' کہا کرتے تھے - انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا ''ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ان کی نسلیں پشتوں تک اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتیں - ہمارے رسول کریمؐ ہی کی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام تمام الزمات سے پاک ہوئے اور پیغمبروں میں انھیں اونچا مرتبہ ملا - خدا کی قسم ! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ فرمایا ہوتا تو حضرت عیسٰیؑ کو پیغمبر بھی نہ مانا جاتا -

۸

ایک مرتبہ والد صاحب زیادہ بیمار تھے - حکیم سیّد حامد شاہ (جو والد کے بھتیجے تھے اور احمدی تھے) علاج کرتے تھے - جب والد کو دیکھنے کے لیے آتے تو کہتے ''آپ نے مرزا صاحب کی بیعت کیوں نہ کر لی - اب بھی کر لیجیے -'' دوچار مرتبہ والد سن کر چپ رہے - حامد شاہ نے بار بار یہی کہا تو فرمایا ''مرزا صاحب نہ ہوئے ہرزہ ہوئے -''

۹

گلاب خاں بھی احمدی تھا - اس کی لڑکی کی شادی آغا باقر کے لڑکے سے ہوئی - لڑکا اگرچہ برائے نام احمدی تھا لیکن حکم یہ

تھا کہ جب تک کسی شخص کے احمدی ہونے پر دو برس نہ گزر جائیں اسے لڑکی نہ دی جائے۔ والد نے سنا تو کہا ''احمدی نہ ہوئے ہرڑ کا مربہ ہو گئے۔''

۱۰

سیالکوٹ کے ایک محلے کا نام کتوروں کا محلہ ہے۔ والد صاحب نے اس سے ایک لطیفہ پیدا کیا۔ فرمایا ''ایک دفعہ باہر سے کوئی آدمی آیا اور پوچھا کتّوں کا محلہ کون سا ہے؟ جواب ملا کتّوں کا محلہ تو کوئی نہیں، کتوروں کا محلہ ہے۔ وہ بولا کئی برس پہلے آیا تھا تو سنا تھا کہ یہاں کتوروں کا محلہ ہے۔ میں نے سمجھا کہ اب وہ کتورے یقیناً کتّے بن چکے ہوں گے۔''

۱۱

مشن والوں نے ایک مرتبہ ایک بہشتی کو نوکر رکھا۔ ہندوؤں نے شور مچایا کہ مسلمان رکھا ہے تو ہندو بھی رکھا جائے۔ والد نے سنا تو کہا ''معاف فرمائیے، ہندو بہشتی نہیں ہو سکتا۔''

۱۲

طالب علم اکثر شرارتیں بھی کرتے تھے لیکن والد صاحب کبھی تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی جماعت میں بہت شور مچا۔ پرنسپل دوڑتا ہوا آیا اور پوچھا ''مولوی صاحب! کیا ہوا؟'' فرمایا ''کچھ نہیں، بچوں کو پڑھا رہا ہوں۔''

۱۳

ایک مرتبہ والد صاحب بیمار تھے ۔ یکم اپریل کو کسی نے پرنسپل سے جا کر کہا کہ مولوی صاحب فوت ہو گئے ۔ پرنسپل (برٹ) یہ سنتے ہی بھاگا بھاگا ہمارے گھر پہنچا ۔ والد صاحب بیٹھے ہوئے تھے ۔ پرنسپل نے واقعہ بیان کیا ۔ واپس جاتے ہی اطلاع دینے والے طالب علم کو سکول سے نکال دیا کہ اپریل فول بنانا مقصود تھا تو مولوی صاحب کے متعلق کیوں ایسی اطلاع دی ؟

۱۴

پرنسپل گیرٹ اگرچہ بڑا کنجوس تھا لیکن والد صاحب کا آپریشن ہوا اور کالج جانا بند ہو گیا تو ان کی پوری تنخواہ پنشن کے طور پر مقرر کر دی ۔ تنخواہوں کے رجسٹر میں اعزاز کے طور پر سب سے پہلے میرے والد کا نام لکھا جاتا تھا ۔ خود پرنسپل بھی اپنا نام ان کے نام کے بعد لکھتا تھا ۔

۱۵

ٹائم ٹیبل بنتا تھا تو پرنسپل کی پہلی ہدایت یہ ہوتی تھی کہ مولوی صاحب کو جا کر دکھاؤ ۔ اگر آنھیں اختلاف نہ ہو تو لکھو ورنہ ان کی سہولت کے مطابق بدل دو ۔

۱۶

سکاچ مشن کالج ابھی ڈگری کالج نہیں بنا تھا ۔ ان دنوں ینگسن پرنسپل تھا ۔ اس نے تجویز پیش کی کہ بی ۔ اے والوں کو پرائیویٹ تیاری کرائی جائے ۔ کالج کے وقت کے بعد میں انگریزی پڑھایا کروں گا ، مولوی صاحب عربی اور فارسی پڑھایا کریں گے ۔ والد صاحب راضی ہو گئے ۔ چنانچہ پہلی مرتبہ پرائیویٹ تیاری کراکے بی ۔ اے کا امتحان دلوایا گیا ۔

ینگسن پرنسپل نے ایک مرتبہ کہا کہ مولوی صاحب کالج کے وقت سے پہلے مجھے عربی پڑھایا کریں ۔ والد صاحب نے قبول کر لیا ۔ کچھ ابتدائی باتیں بتانے کے بعد عربی کی انجیل پڑھانے لگے ۔ صاحب بڑا لطیفہ باز تھا ۔ کہیں اذان کا لفظ آ گیا تو بولا ''مولوی صاحب ! ایک بات پوچھتا ہوں ، خفا نہ ہونا ۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ کے خدا کو جب تک پانچ مرتبہ نہ پکارا جائے ، وہ سنتا ہی نہیں ؟'' والد صاحب بے تکلف بولے ''ہاں صاحب ! ہمارا خدا ایسا نہیں ہے کہ آٹھویں دن ٹن ٹن کی بے معنی آواز سن کر خوش ہو جائے ۔'' پھر اذان کی حکمت اور اس کے معنی اس انداز میں سمجھائے کہ ینگسن بول اٹھا ''مولوی صاحب ! آپ گواہ رہیں کہ میں آج سے مسلمان ہوتا ہوں ۔ لیکن مصلحت یہ ہے کہ اسے اخفا میں رکھا جائے ۔''

پھر جب وہ سیالکوٹ میں فوت ہوا اور میرے والد کو پیغام ملا تو نرنجن سنگھ ہیڈ ماسٹر کو ساتھ لے کر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے ۔ جو

لوگ وہاں بیٹھے تھے، انھوں نے کہا ''صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کو بلایا گیا ہے۔ جس کمرے میں صاحب کی بیت ہے وہاں آپ جائیں۔ وصیت یہ ہے کہ وہاں آپ کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ آپ اجازت دیں گے تو میت اٹھائی جائے گی۔'' چنانچہ والد صاحب گئے، اس کے لیے دعا کی۔ پھر اجازت دی تو اس کی میت اٹھا کر دفن کی گئی۔

اسی ینگسن صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ محرّم کے دنوں میں لیکچر دیتے ہوئے کہا ''مسلمانوں کے رسولؐ نے نہ معجزات دکھائے، نہ نواسوں کی شفاعت کی۔'' والد صاحب نے کہا کہ ہمارے رسولؐ شفاعت لے کر گئے تھے مگر خدا نے کہا کہ انھوں نے میرے بیٹے کو سولی پر چڑھا دیا۔ میں تیرے نواسوں کو کیا کروں؟

۱۷

ڈاکٹر صاحب کے بچپن کا ایک عجیب واقعہ ہے جو ڈاکٹر صاحب کی بھاوجہ نے سنایا۔ کہتی ہیں کہ عورتیں رات کو ازاربند بُنا کرتی تھیں اور دیر تک اس کام میں لگی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب اس زمانے میں چھوٹے تھے اور دو دو پیسے کے قصے بازار سے لاتے تھے۔ جب تک عورتیں ازار بند بُنتی رہتیں، ڈاکٹر صاحب قصے پڑھتے رہتے۔ چونکہ آواز بہت اچھی تھی اس لیے سب عورتیں خوشی سے سنتیں۔

۱۸

والد صاحب کے شاگردوں میں سے کنور سین اور نہال سنگھ

عربی کے ایم ۔ اے تھے ۔ کنور سین بات بات میں بے تکلف قرآن کی آیات پڑھتے تھے ۔ انھوں نے ایک میڈل کالج میں رکھا جس کا نام ''بھیم سین میر حسن میڈل'' تھا ۔ (بھیم سین ان کے والد کا نام تھا) ۔ یہ میڈل اس شخص کو دیا جاتا تھا جو عربی میں اچھے نمبر لے کر پاس ہوتا ۔ (سید نذیر نیازی صاحب نے فرمایا کہ بھیم سین اس طرح گفتگو میں آیاتِ کریمہ استعمال کرتا تھا کہ کوئی شخص خیال نہیں کر سکتا تھا کہ یہ شخص ہندو ہے) ۔

۱۹

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ انجمن میں ایک نظم پڑھی ، جس کا ایک شعر یہ تھا :

قصّۂ مطلب طویل و دفترِ تقریر تنگ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو مختصر کہنے کو ہیں

والد صاحب نے سنا تو آپ نے 'دفتر' کی جگہ 'عرصہ' کا لفظ تجویز کیا ۔

۲۰

ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کی ایک غزل چھپ کر آئی جس کا ایک شعر یہ تھا :

ترک کردی تھی غزل خوانی مگر اقبال نے
یہ غزل لکھی ہمایوں کو سنانے کے لیے

اس پر بھی والد صاحب نے اعتراض کیا تھا لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہا ۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ ہندوستان میں کسی اور کو یہ اعتراض کب سوجھ سکتا ہے ۔

۲۱

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ مرزا غالب کے ایک شعر کی شرح پوچھی ۔ والد صاحب نے کئی صفحے لکھ کر بھیجے۔کچھ معلوم نہیں وہ کیا ہوئے ۔

۲۲

میری اہلیہ کی بیماری میں والد فرش پر سوتے تھے اور رات کو تیمارداری کرتے تھے ۔ میر حامد شاہ کا علاج ہو رہا تھا ۔ وہ صحت کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے ۔ والد نے ایک رات دو بجے اٹھ کر دعا کی ۔ پھر مجھے جگا کر کہا کہ دیکھو ، بخار کا کیا حال ہے ؟ دیکھا تو حرارت معمول پر آ پہنچی تھی ۔ کہا اسے دو دو چمچے دودھ پلایا جائے ۔ صبح کو سید حامد شاہ دیکھنے آئے تو حیران رہ گئے ۔ بولے کہ اب انشاءاللہ بچ جائے گی ۔

۲۳

ایک دفعہ نہال سنگھ ایک عمدہ کمبل جموں سے والد صاحب کے لیے لایا ۔ والد صاحب نے فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں ۔ وہ کمبل پھینک کر چلا گیا کہ آپ کا ہدیہ میں کسی اور کو نہیں دے سکتا ۔

دوسرے سال آیا تو دیکھا کہ وہ کمبل والد کے چچیرے بھائی حسین شاہ نے اوڑھ رکھا ہے ۔ پوچھا تو حسین شاہ نے کہا کہ یہ کمبل مجھے میرے بھائی نے دیا ہے ۔

۲۴

ڈاکٹر اقبال کہا کرتے تھے کہ میں نے ''استغنا'' شاہ صاحب (سید میر حسن) سے سیکھا ہے ۔

۲۵

سرسید کی وفات کا تار ملا تو والد صاحب کالج جا رہے تھے ۔ راستے میں ڈاکٹر صاحب بھی مل گئے ۔ ان سے کہا کہ سرسید فوت ہوگئے ہیں ، تاریخ سوچنا ۔ ڈاکٹر صاحب رحیم بخش کی دکان پر بیٹھے تھے ۔ تھوڑی دیر بعد مجھے فرمایا کہ تاریخ ہوگئی ۔ ابھی کالج جاؤ اور شاہ صاحب کو سنا کر آؤ ۔ تاریخ یہ تھی :

''انی متوفیک و رافعک الی و مطہرک''

میں نے والد صاحب کو جا کر تاریخ سنائی تو کہنے لگے کہ میں نے بھی نکال لی ہے اور وہ یہ ہے : ''غفرلہ'' ۔

''حیاتِ جاوید'' میں دونوں تاریخوں کا ذکر ہے مگر نام کسی کا نہیں (ملاحظہ ہو حیاتِ جاوید ، حصہ اول ، ص ۳۰۵) ۔ والد صاحب نے خود خواجہ حالی کو ایک خط لکھا کہ بڑے افسوس کی بات ہے ،

آپ نے یہ نہ لکھا کہ تاریخیں کس کی ہیں ؟ یہ دونوں تاریخیں استاد اور شاگرد کی ہیں ۔ خواجہ صاحب نے جواب میں لکھا کہ مجھے ناموں کا علم نہ ہو سکا ۔ دوسرے ایڈیشن میں ضرور نام لکھ دوں گا ۔

۲۶

والد صاحب کوئی چیز کسی شاگرد سے نہیں لیتے تھے ۔ ایک مرتبہ ان کا ایک شاگرد بال مکند نام ''مصری'' لایا ۔ خلافِ عادت مصری رکھوا لی ۔ رات کو کھانسی اٹھی تو کہا ''مصری کی ڈلی لاؤ'' ۔ اس کے کھانے سے کھانسی رک گئی تو کہا ''بال مکند کو بلاؤ ۔'' وہ آیا تو فرمایا کہ تم محبت سے مصری لائے تھے ۔ اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا ۔ وہ اور مصری لانے کے لیے تیار ہو گیا ۔ فرمایا ''اب مجھے ضرورت نہیں ۔''

۲۷

جگن ناتھ ، فقیر چند اور جوگی رام آپ کے شاگرد بیماری میں روزانہ عیادت کے لیے آتے تھے ۔ ۲۱ ستمبر کو منگل کے دن جگن ناتھ کسی وجہ سے نہ آ سکا ۔ شام کو آدمی بھیج کر بلوایا اور فرمایا ''آج کیوں نہیں آئے؟'' اس نے کہا ''کچھ کام تھا ۔'' بولے ''بھئی ! ہم نے کہا تم سے مل لیں ۔'' وہ مل کر گیا تو اگلے دن صبح کو آپ کا انتقال ہو گیا ۔

۲۸

۱۸۷۳ء میں سرسیّد سے پہلی ملاقات ہوئی تھی، جب وہ پنجاب آئے تھے - ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تو والد صاحب اس موقع پر بھی موجود تھے - وائسرائے سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے آیا تھا - سرسیّد نے اس کے اعزاز میں دعوت دی تھی - والد سے کہا ''آپ بھی دعوت میں شریک ہوں -'' وہ بولے ''میں ایسی دعوتوں میں نہیں جا سکتا -'' سرسیّد نے دعوت سے پہلے اپنے فرزند سید محمود صاحب کے ہاتھ کھانا بھیجا اور کہا کہ جب تک مولوی صاحب کھانا نہ کھا لیں، پاس بیٹھے رہنا اور مولوی صاحب کی باتیں سنتے رہنا -

۲۹

کنورسین اتنا ادب کرتا تھا کہ ایک مرتبہ والد صاحب جلسے میں آئے تو انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور جھک کر سلام کیا - جب تک آپ بیٹھ نہ گئے، کنورسین کھڑا رہا - مولوی رکن الدین صاحب تو کبھی پیٹھ پھیر کر ان کے سامنے نہ چلتے بلکہ اُلٹے پاؤں دروازے تک جاتے -

۳۰

ایک دفعہ ایک سبزی فروش کی دکان سے گزرے - ایک صاحب سبزی فروش کو کھوٹا روپیہ دے رہا تھا اور دوکاندار انکار کر رہا

تھا ۔ وہ صاحب کہہ رہے تھے کہ میں یہ روپیہ اپنے پاس سے گھڑ کر نہیں لایا ۔ سبزی فروش نے کہا ”اچھا مولوی صاحب سے پوچھ لیتے ہیں ۔“ والد نے روپے والے سے کہا کہ یہ روپیہ آپ کی غفلت سے آپ کے پاس آیا ۔ آپ کو دیکھ کر لینا چاہیے تھا ۔ اب آپ اسے دانستہ دوسرے کو دینا چاہتے ہیں ، یہ گناہ ہے ۔

۳۱

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ اُس زمانے میں والد کے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے جب مرزا صاحب سیالکوٹ میں رہتے تھے ۔ پادریوں سے مرزا صاحب کے مناظرے ہوتے تھے تو میرے والد کو حکَم بنایا جاتا تھا ۔

۳۲

ڈاکٹر صاحب نے انگریزی کا پہلا سبق میر حامد شاہ صاحب سے پڑھا ۔ میر حامد شاہ ، والد صاحب کے چچیرے بھائی کے بیٹے تھے اور احمدی جماعت سے تعلق تھا ۔ جب یہ حکم ہوا کہ کوئی احمدی غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھے تو کسی نے سیّد حامد شاہ سے کہا کہ اب اپنے چچا (میر حسن) کا جنازہ بھی نہیں پڑھوگے ؟ اُنھوں نے مسجد میں بیٹھے بیٹھے ہاتھ اُٹھائے اور کہا کہ خدا مجھے ان سے پہلے موت دے دے ۔ چنانچہ وہ پہلے فوت ہوئے ۔

میر حامد شاہ کے صاحبزادے بازار میں کھڑے تھے ۔ ان سے

کسی نے کہا کہ ہمارے محلے کا فلاں آدمی اپنی لڑکی کو رخصت نہیں کرتا ۔ اسے سمجھائیے کہ لڑکی کو رخصت کر دے ۔ اتفاق سے وہ آدمی سامنے آ گیا ۔ میر حامد شاہ کے صاحبزادے نے اُسے محبت سے سمجھایا کہ بھائی ! لڑکی کو رخصت ہی کر دینا اچھا ہے ۔ اُس نے خلافِ اُمید سخت بد زبانی سے جواب دیا ۔ صاحبزادے کو غصّہ آ گیا اور ایک "مُکّا" رسید کر دیا ۔ وہ گرا اور مر گیا ۔ میر حامد کچہری سے آئے تو پولیس پہنچ چکی تھی اور ان کا صاحبزادہ گرفتار ہو چکا تھا ۔ میر صاحب نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ اگر میرے بیٹے ہو تو سچ سچ سب کچھ بتا دینا ، خواہ اس کا نتیجہ پھانسی ہی کیوں نہ ہو ۔ جھوٹ نہ بولنا ۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ کے سامنے جرم کا اقرار کر لیا ۔ پھر محلے والوں نے پورے واقعات کی شہادت دے کر صاحبزادے کو رہا کرالیا ۔

۳۳

والد صاحب کے پاس مولوی فیروز الدین ڈسکوی کی کچھ کتابیں تھیں ۔ بیماری میں ساری کتابیں الگ کر کے مولوی صاحب کے پاس بھجوا دیں ۔

۳۴

بیماری کے دنوں میں ان کا ایک ہندو شاگرد بیم راج ملنے آیا ۔ وہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تھا ۔ میں اور میرا بھائی نقی پاس بیٹھے

تھے کہ بولا "علیحدگی میں بات کرنا ہے۔" والد صاحب نے مجھے
اور میرے بھائی کو اٹھوا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہیم راج چلا گیا
تو بلا کر فرمایا کہ اس شخص کا خلوص دیکھو۔ تین ہزار روپے
لا کر میرے قدموں پر رکھ دیے اور کہا کہ شاید آپ کو پیری میں
تکلیف ہو۔ میں نے یہ روپیہ آپ کی برکت سے کمایا ہے، آپ ہی
کی برکت سے کمانے کے قابل ہوا ہوں۔ میں نے بہت کہہ سن کر
روپیہ واپس کیا۔

۳۵

والد صاحب نے کفن دفن کے لیے سارا خرچ پہلے ہی سے الگ
کر کے ہمارے حوالے کر دیا تھا۔ بھائی کا تانگہ انھیں کچھ مدت تک
کالج پہنچاتا رہا۔ اس کے کرایے کا حساب کر کے پیسہ پیسہ دے
دیا۔ چنانچہ وفات سے پیشتر شاگرد اور دوست تو رہے ایک طرف ان
کے لڑکوں کی بھی کوئی رقم ان کے ذمے نہ تھی۔

۳۶

ان کا ایک شاگرد بہاری لال رشوت کے جرم میں گرفتار
ہو کر سزا پا چکا تھا۔ وہ عربی فارسی خوب جانتا تھا۔ کالج والوں
کی تجویز تھی کہ اسے والد صاحب کی جگہ پروفیسر بنا دیا جائے۔
وہ ملازمت کا خواہش مند بھی تھا۔ پرنسپل سے جا کر ملا اور جب
اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ والد کی جگہ مقرر کیا جا رہا ہے تو بولا

''پرنسپل صاحب ! میں بھوکا مر جاؤں گا لیکن اپنے اُستاد کی کرسی پر نہ بیٹھوں گا''۔ یہ کہہ کر واپس آ گیا۔

۳۷

ایک دفعہ میرزا غلام احمد قادیانی اور پنڈت شیو رام ، مولوی میر حسن کی بیٹھک میں بیٹھے تھے۔ والد نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ میں خدا اور رسولؐ کو مانتا ہوں ، قرآن کو مانتا ہوں ، نماز پڑھتا ہوں ، شریعت کا حکم مانتا ہوں ، صرف آپ کی بیعت نہیں کی۔ شیو رام نہ خدا کو مانتا ہے ، نہ رسولؐ اور قرآن کو ، نہ شریعت پر چلتا ہے : اُس نے بھی آپ کی بیعت نہیں کی۔ گویا بیعت نہ کرنے میں یہ اور میں دونوں برابر ہیں ، باقی ساری باتوں میں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں۔ کیا ہم دونوں کو یکساں عذاب ہوگا ؟ میرزا صاحب بولے کہ آپ نے جو سوال کیا ہے ، اس کا جواب چند لفظوں میں نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لیے کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

۳۸

ایک دفعہ میرزا صاحب اور مولوی عبدالکریم بیٹھے تھے۔ والد صاحب نے میرزا صاحب سے کہا ''آپ نے سرسیّد سے دو باتیں لیں۔ ایک مان لی اور ایک نہ مانی۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟''

عبدالکریم کچھ بولنے لگا تو والد صاحب نے اسے خاموش کرا دیا اور کہا "تمھارا بولنا دو حال سے خالی نہیں : یا تو تم اپنے آپ کو اس شخص سے زیادہ عالم سمجھتے ہو جس کی بیعت کی ہے ، یا گستاخ ہو"۔ میرزا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا ۔ دونوں باتوں میں سے ایک بات وفاتِ مسیح تھی ۔ دوسری کا علم نہ ہو سکا۔

۳۹

ایک مرتبہ والد صاحب گرمی کے موسم میں لاہور تشریف لے گئے ۔ ڈاکٹر صاحب سے بھی ملاقات کی ۔ اتفاق سمجھیے کہ ڈاکٹر صاحب نے پانی تک نہ پوچھا ۔ اس زمانے میں مہاراجا پٹیالہ بھی آئے ہوئے تھے ۔ والد صاحب کے ایک شاگرد ریاست پٹیالہ میں وزیر تھے ۔ ان سے ملنے کے لیے گئے تو ڈاکٹر صاحب کو بھی ساتھ لے گئے ۔ اس شاگرد نے ، جو سکھ تھا ، والد صاحب کی خوب تواضع کی ، یہاں تک کہ مشروبات اپنے ہاتھ سے پیش کیے ۔ (ذکی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے ساتھ لے جانے کی اصل غایت یہ تھی کہ انھیں بزرگوں کی تواضع کرنے کا ڈھنگ معلوم ہو جائے) ۔

۴۰

پروفیسر صاحبان کو عام طور سے یہ شکایت رہا کرتی تھی کہ

کالج کے طلبہ ان کو سلام نہیں کرتے - جب پرنسپل صاحب کے پاس متواتر یہ شکایتیں پہنچیں تو انھوں نے سیّد میر حسن سے دریافت کیا - اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے تو آج تک ایسی کسی شکایت کا موقع نہیں ملا -

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر جمشید علی راٹھور

[بوڑھے آدمی تھے ۔ ڈاڑھی بالکل سفید ، جسم کمزور تھا ۔ بظاہر ضعفِ اعصاب کے مریض معلوم ہوتے تھے ۔ خود بتاتے تھے کہ آٹھ سال تک مرضِ مراق میں مبتلا رہا ہوں ۔ طب بھی پڑھی ، انگریزی میں نظمیں بھی لکھیں ۔ ایک چھوٹی سی کتاب ادبیات ایران پر تصنیف کی ۔ رسولِ اکرم ، صحابہؓ کرام یا کسی بزرگ کا ذکر آتا تو صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا رضی اللہ عنہ یا رحمۃ اللہ علیہ کہتے وقت اٹھ کھڑے ہوتے تھے ۔ انھوں نے ہمارے استفسار پر بتایا] ۔

۱

میں نے مولوی سید میر حسن صاحب سے بہار دانش ، سکندر نامہ ، یوسف زلیخا اور ابوالفضل کی کتابیں پڑھیں ۔ ان کی تعلیم کا یہ طریقہ تھا کہ طالب علم سے کتاب پڑھواتے ۔ جو لفظ یا ترکیب یا مطلب مشکل ہوتا اس کی تشریح کرتے جاتے ۔

۲

مولوی صاحب اور میرے والد صاحب دوست تھے ۔ اسی دوستی

کی بنیاد پر والد صاحب نے مجھے مولوی صاحب کے سپرد کیا ۔ جب میں سکول جاتا تھا تو مولوی صاحب سے بہت ڈرتا تھا ۔ اس ڈر کا ذکر والد صاحب سے کیا تو انھوں نے چند آیتیں پڑھ کر دم کرنے کی تلقین کی ۔ ایک دفعہ خود مولوی صاحب نے مجھے بلایا اور فرمایا ''ارے تم نے کیوں نہ بتایا کہ تم کس کے لڑکے ہو؟ تم تو میرے عزیز دوست کے بچے ہو ۔'' اس وقت سے ان کے ساتھ گہری وابستگی پیدا ہوئی ، لیکن ان کا ڈر آخری وقت تک دل پر غالب رہا ۔

۳

(ہم نے متواتر سنا تھا کہ مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں میں سے صرف دو سے خدمت لی ۔ ایک ماسٹر غلام محمد مرحوم ، دوسرے جمشید علی راٹھور ۔ استفسار کرنے پر انھوں نے جواب دیا) میں زیادہ سے زیادہ مولوی صاحب کے ساتھ رہا ۔ ان کی ہر خدمت انجام دیتا تھا ۔ انھیں اگر ''جاے ضرور'' جانا ہوتا تو میں لوٹا لے کر وہاں رکھ آتا ۔ کالج سے واپس آتے تو میں ساتھ آتا اور انھیں گھر پہنچاتا ۔ میں نے ان کی خدمت کا شرف زیادہ سے زیادہ حاصل کیا ۔

۴

ایک دفعہ ان کے مکان پر پڑھنے کے لیے گیا ۔ دروازے پر پہنچا تو وہ باہر نکل رہے تھے ۔ فرمایا ''یہیں کھڑے رہو ، ہم ایک کام کر کے آتے ہیں ۔'' میں ڈیڑھ گھنٹہ دروازے پر کھڑا رہا ۔ واپس آئے تو سبق پڑھایا ۔

۵

مولوی صاحب کبھی کبھی خود بخود مجھ سے راز کی باتیں بھی کر لیتے تھے ، لیکن میں نے خود کبھی ان سے کوئی سوال نہیں کیا ۔

٦

ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے والد سودا خود لاتے تھے ۔ ایک دفعہ مسور کی دال لے کر آئے اور گھر پہنچے تو دال میں سے ایک پیسہ نکل آیا ۔ فوراً واپس گئے ، پیسہ دوکان دار کو واپس کیا کہ یہ تمھارا حق ہے ۔ ساتھ ہی کہا کہ اس کے وزن کی دال دے دو ، وہ میرا حق ہے ۔ انھی سے میں نے یہ سیکھا کہ اپنا سودا خود لانا چاہیے ۔

۷

مولوی صاحب کے منجھلے صاحبزادے سید محمد نقی انھیں کہا کرتے تھے کہ اب آپ بوڑھے ہو گئے ہیں ۔ ملازمت چھوڑ کر گھر بیٹھ جائیے ۔ ایسا نہ ہو کہ آتے جاتے راستے ہی میں دم نکل جائے ۔ مولوی صاحب نے انکار کر دیا ۔ میں نے عرض کیا کہ اپنے بیٹے کی بات مان لیجیے ۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے ۔ وہ آپ کی خدمت کریں گے ۔ مولوی صاحب نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور فرمایا کہ میں اس ہاتھ کو اوپر رکھنا چاہتا ہوں ۔ میری آرزو ہے کہ یہ اسی طرح رہے ۔ نیچے نہ ہو اور کسی کے سامنے نہ پھیلے ۔

۸

ایک مرتبہ علامہ اقبال لاہور سے آئے تو خوشی کے عالم میں تھے ۔ مولوی صاحب نے دیکھا تو ایک چپت رسید کر کے کہا "ایسی حرکتیں ہمارے سامنے !!"

۹

میری والدہ اور ڈاکٹر صاحب کی والدہ چچیری بہنیں تھیں ۔ میری والدہ کے والدین ذرا غریب تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کی والدہ کے والدین کی حالت ذرا اچھی تھی ۔ میری والدہ غیور تھیں ۔ اس خیال سے اپنی چچیری بہن کو ملنے نہیں جاتی تھیں کہ مبادا یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی غرض سے آ رہی ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کی والدہ اکثر آیا کرتی تھیں ۔ آخری عمر میں کمزور ہو چکی تھیں ۔ اس زمانے میں دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں پر رکھے ہوئے آہستہ آہستہ چلا کرتی تھیں ۔

۱۰

ایک دفعہ خدا جانے دونوں بہنوں میں کیا بات چیت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ نے میری والدہ سے کہا "میرے اقبال جیسا بچہ پیدا کرو تو مقابلے پر آؤ ۔"

۱۱

مولوی صاحب صبح کے وقت اپنے بیٹے کے تانگے میں بیٹھ کر ۔۔۔ جایا کرتے تھے ۔ واپسی میں میں انہیں ساتھ لاتا تھا اور گھر چھوڑ کر آتا تھا ۔

۱۲

(سوال کیا گیا کہ مولوی صاحب کن شاعروں کے کلام کو زیادہ پسند کرتے تھے ؟ ڈاکٹر راٹھور صاحب نے بتایا) خواجہ حافظ کا دیوان ، مولانا روم کی مثنوی اور نظامی کا ''سکندر نامہ'' بہت پسند کرتے تھے - عرفی کی بھی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نے قصیدے خوب لکھے ہیں - فارسی کا یہ مشہور قول بھی دہرایا کرتے تھے : ''در غنیمت از خاکیانِ ہند غنیمت است -''

۱۳

جس روز مولوی صاحب کا انتقال ہوا ، اسی دن میری لڑکی فوت ہوئی - میں پہلے مولوی صاحب کے جنازے میں گیا اور پھر اپنی لڑکی کو دفن کیا -

☆ ☆ ☆

مولوی ظفر اقبال

۱

میں جب لاہور میں تعلیم پا رہا تھا تو ایک مرتبہ یونیورسٹی کے کسی امتحان کے پرچے مولانا سیّد میر حسن کے پاس تھے۔ میرے ایک اُستاد نے ایک طالب علم کے پرچے کے لیے مجھے مولانا کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ اس طالب علم کو اچھے نمبر دے دیے جائیں۔ مجھے مولانا میر حسنؒ کی روش کا علم تھا لیکن استاد کے حکم سے مجبور ہو کر گیا۔ صبح کے وقت مولانا قبرستان میں جاتے تھے، اس لیے سٹیشن سے سیدھا قبرستان کے راستے پر ہو لیا کہ جہاں ملیں گے، انھیں پیغام پہنچا دوں گا۔ وہ ملے تو میں نے سلام عرض کیا۔ پھر تمہید کے طور پر عرض کیا کہ اپنے استاد کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں جو آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ خود میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے پیغام سنا تو فرمایا کہ یہ لوگ دین اور دنیا کو الگ سمجھتے ہیں۔ آں سے

کہہ دیجیے کہ پیغام مل گیا ہے ، میں خوب غور کروں گا ۔ پھر پرچہ دیکھوں گا ۔ اگر گنجائش ہوئی تو ضرور نمبر دوں گا ۔ لیکن مولانا رُوم کے قول کے مطابق لقمہ ہی دیا جا سکتا ہے ، حلق بنا کر نہیں دیا جا سکتا ۔ یونیورسٹی سے جو ہمارا معاہدہ ہے اس کی پابندی نہ ہو تو جو کچھ ملتا ہے وہ حلال نہ رہے ، حرام ہو جائے ۔

۲

ان کے پاس طالب علموں کے جو پرچے جانچنے کو آتے تھے ان سب کو فرش پر ترتیب وار پھیلا دیتے تھے ۔ سب سے پہلے تمام پرچوں میں سے پہلے سوال کا جواب دیکھتے اور سب پرچے پڑھ جاتے ۔ اس طرح ایک اندازہ اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ۔ پھر ہر ایک پرچے کے پہلے سوال پر نمبر لگاتے جاتے اور ساتھ ساتھ وہ نمبر پرچے کے پہلے ورق پر لکھتے جاتے ۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا اور باقی سوالات دیکھتے ۔ یہ اہتمام اس لیے کرتے تھے کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ ناانصافی کا شائبہ تک باقی نہ رہے ۔

۳

شاہ صاحب نے کبھی اپنے کسی شاگرد سے خدمت نہ لی ۔ جوتا خود اٹھاتے ، سودا خود لاتے ، دروازہ خود بند کرتے ، کتاب الماری سے خود نکالتے اور خود ہی رکھتے ۔ اگر کوئی شاگرد امداد

کرتا تو فرماتے کہ آج تو تم یہ کام کر دو گے مگر کل تم میرے پاس نہ ہو گے تو یہ کام کون کرے گا ؟ میری عادت نہ بگاڑو ۔

۴

ایک دفعہ وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ میں بھی وہاں پہنچ گیا ۔ نماز کے بعد میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کا جوتا اٹھا لیا اور لے کر چلا کہ مسجد کے باہر ان کو پہنا دوں گا ۔ آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ یہ جوتا میرا ہے ۔ اور میرے ہاتھ سے جوتا لے لیا ۔

۵

کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو طالب علموں سے صاف کہہ دیتے کہ میں سمجھ نہیں سکا ۔ تم بھی سوچو ، میں بھی سوچوں گا ۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ عربی کے کورس کی ایک کتاب میں ایک شعر یوں چھپا تھا ''من للناس الندیٰ فندوا'' ۔ اس کا ترجمہ بھی لکھا گیا تھا لیکن شاہ صاحب پریشان تھے کہ '' مَن'' کا صلہ ''ل'' نہیں بلکہ ''علیٰ'' ہے ۔ صاف کہہ دیا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا ۔ پھر ایک مرتبہ ''مختارالصحاح جوہری'' دیکھ رہے تھے تو اس میں ''ندیٰ'' کے تحت یہ شعر یوں نکلا :

سن للناس الندیٰ فنروا

اُس وقت معلوم ہوا کہ اصل کورس میں شعر غلط چھپا ہے اور شارح نے اس کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے ۔

٦

ایک دفعہ ان کے شاگرد مولوی عبدالقیوم ہیڈ ماسٹر کو اُردو کی ایک کتاب پڑھانے کی نوبت آئی ۔ اس میں مولوی ذکاء اللہ کا ایک مضمون تھا ، اس کا ایک فقرہ سمجھ میں نہ آیا ۔ مولوی عبدالقیوم اسے سمجھنے کے لیے سیالکوٹ پہنچے ۔ شاہ صاحب نے ''تہذیب الاخلاق'' کے وہ پرچے ، جن میں مولوی ذکاء اللہ کا یہ مضمون چھپا تھا ، نکلوائے اور اصل کو سامنے رکھ کر مطبوعہ مضمون کی خامی واضح کی ۔ پھر الجھن دور ہوئی ۔

٧

جب یونیورسٹی کی طرف سے یہ ہدایت ہوئی کہ فارسی اور عربی کے طلبہ جوابات انگریزی میں لکھا کریں تو شاہ صاحب نے انگریزی نہ جاننے کے باوجود طلبہ کو انگریزی ترجمے کی مشق کرانے کا فیصلہ کر لیا ۔ عربی کی بائبل کلاس میں لے جاتے ۔ طلبہ سے کہتے کہ انگریزی کی بائبل پڑھو ۔ اس طرح لفظوں کا مقابلہ کرا کے انھیں عربی سے انگریزی میں منتقل کرنے کی مشق کرائے ۔ حرف حرف پر توجہ کا یہ حال تھا کہ کوئی طالب علم پڑھتے وقت انگریزی کا ایک لفظ بھی چھوڑ جاتا تو ٹوک دیتے ۔ پھر اس

خیال سے کہ بائبل کی عبارت سن کر کسی پر غیر مناسب اثر نہ پڑے ، آخر میں پانچ منٹ میں بائبل کے اصل موضوع پر تنقید فرما دیتے ۔

٨

شاہ صاحب کو اردو ، فارسی ، عربی ، پنجابی کے ہزارہا شعر یاد تھے ۔ بات بات پر شعر پڑھتے تھے ۔ اور سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عربی پڑھاتے تو اس وقت ہم مضمون اشعار فارسی ، اردو کے اساتذہ اور وارث شاہ کی ہیر کے پیش کرتے ۔ ہر مضمون اور ہر کتاب کے پڑھانے کا یہی طریقہ تھا ۔ گویا جو کچھ پڑھاتے وہ ہر ممکن طریقے سے طالب علم کے ذہن میں بٹھا دیتے ۔

(نوٹ : ان روایات میں 'شاہ صاحب' سے مراد مولانا میر حسن ہیں) ۔

☆ ☆ ☆

پروفیسر عطاءاللہ

۱

ڈاکٹر جمشید علی نے آخری عمر میں مولوی صاحب کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا ۔ میں جب جاتا تو پوچھتا ''ڈاکٹر جمشید علی نہیں آئے ؟'' فرماتے ''نہیں'' ۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا ''میں ان سے کہوں کہ آپ سے آ کر مل جائیں ؟'' فرمایا ''آپ کو ملنے کے لیے کون کہنے جاتا ہے ۔''

۲

''انقلاب'' اخبار میں ڈاکٹر راٹھور کے کلام پر سخت تنقید ہوتی تھی جس سے وہ بہت پریشان ہوتے ۔ مولوی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بھئی فارسی اور اردو کے شعروں پر لوگ ضرور تنقید کرتے ہیں ۔ تم انگریزی میں نظم لکھا کرو ، اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرے گا ۔ بس اُس وقت سے انگریزی میں شعر لکھنے لگے ۔ مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ ان کی طبیعت سے نکتہ چینی کا ملال دور ہو جائے ۔ یہ اصلاح کا ایک حکیمانہ طریقہ تھا ۔

☆ ☆ ☆

پروفیسر محمد دین بھٹی

[پروفیسر محمد دین بھٹی اقبال کے ایک ہم مکتب تھے -
انھوں نے بیان کیا] -

میں روزانہ صبح و شام مولوی میر حسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا - ایک مرتبہ ڈاکٹر اقبال بھی پاس بیٹھے تھے - مولوی صاحب نے سائیں کیسر[1] شاہ کا قصہ سنایا کہ ہم ان کے پاس موجود تھے - گھر کے اندر شور ہوا - سائیں کیسر شاہ اٹھ کر اندر گئے - پوچھا "بھائی شور کیوں ہے ؟" جواب ملا کہ جو لوٹا کل آپ لائے تھے ، نہیں ملتا - سائیں کیسر شاہ بولے کہ جب میں یہ لوٹا لایا تھا تو کوئی شور نہیں ہوا تھا ، آج کیوں شور ہوا ؟ ڈاکٹر اقبال نے جب یہ قصہ سنا تو میں نے دیکھا کہ وہ جھوم رہے تھے -

---

۱- سائیں کیسر شاہ موضع و...ئیں میں رہتے تھے جو وزیر آباد کے قریب ہے - مولوی میر حسن کے ننھیال فیروز والا میں تھے جو گوجرانوالہ کے قریب ہے - وہیں آپ کی دوسری شادی ہوئی تھی -

مولوی صاحب کی ایک عادت یہ تھی کہ جمعرات کے دن وہ اپنے تمام مرحوم دوستوں کی قبروں پر جاتے تھے ؛ مثلاً شیخ اللہ داد ۔ اسی طرح روزانہ اپنے والدین اور ہمشیرہ کی قبروں پر بھی جاتے تھے ۔

مولوی امام الدین گجراتی ، مولوی محبوب عالم ایڈیٹر 'پیسہ اخبار' ، مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر 'وطن' ، مولوی مراد علی ساکن بیگووال (ریاست کپور تھلہ) اور خود مولوی میر حسن صاحب مشترکہ خرچ سے وزیرآباد میں ایک خانقاہ کا عرس کیا کرتے تھے اور اس موقع پر پلاؤ پکتا تھا ۔ تاہم اس بزرگ کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ یہ عرس بیساکھی کے دنوں میں ہوتا تھا ۔ اس وجہ سے بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ مولوی صاحب بیساکھی دیکھنے کے لیے وزیر آباد جاتے ہیں ۔

مولوی حکیم نور الدین جب جموں میں تھے تو مولوی صاحب سے ملنے کے لیے سیالکوٹ آیا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ وہ آئے تو مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ چلو مولوی نور الدین کو اسٹیشن تک چھوڑ آئیں ۔ مولوی نور الدین نسب کے لحاظ سے فاروقی تھے ۔ راستے میں انھوں نے مزاحاً کہا کہ دیکھا ! ہمارے جد امجد نے کہا ''حسبنا کتاب اللہ'' ۔ مولوی میر حسن نے برجستہ جواب دیا کہ آپ کو معلوم نہیں ، آپ کے جد امجد نے یہ بھی فرمایا تھا : ''لولا علی لھلک عمر ۔''

ایک روز مولوی صاحب جندراں[1] والے بازار سے گزر رہے تھے ۔ ایک صاحب نے کہا کہ والد صاحب کو جنّوں کی ایک بارات ملی اور ایک برتن میں چاول دیے ۔ میرے والد نے گھر پہنچ کر دیکھا تو برتن میں چاولوں کی جگہ غلاظت تھی ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھئی ناراض نہ ہونا ، تمھارے والد نے یا تو پہلی مرتبہ دیکھنے میں غلطی کی تھی یا دوسری مرتبہ دیکھنے میں ان سے غلطی ہوئی ۔

ہمارے ہاں ساگر چند ایک ڈسٹرکٹ انسپکٹر تھا ۔ بڑے ہی سیاہ رنگ کا تھا ۔ مولوی صاحب سے اسے بہت عقیدت تھی ۔ ایک دفعہ ملنے کے لیے آیا تو کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور بوندا باندی ہو رہی تھی ۔ مولوی صاحب سے ملتے ہی بولا ''دیکھیے ! موسم کتنا اچھا ہے'' ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ تو کالی گھٹا بن کر آئے ہیں ۔

اس زمانے میں نائٹ سکول ہوتے تھے جن میں بالغوں کو تعلیم دی جاتی تھی ۔ ایک موقع پر حروفِ ابجد تختہ سیاہ پر لکھ کر سامنے رکھ دیے گئے اور ایک شخص سے پوچھا ''لو بھائی ! لام بتاؤ'' تو اس نے 'ص' پر انگلی رکھ دی ۔ دوسرے سے پوچھا کہ 'م' بتاؤ تو اس نے 'ی' پر انگلی رکھ دی ۔ مولوی صاحب نے

۱۔ سیالکوٹ کے ایک بازار کا نام ہے ۔

فرمایا شاباش شاباش ! میں نے پوچھا ''یہ شاباش کا کون سا موقع ہے ؟'' مولوی صاحب بولے کہ اتنا تو انھیں معلوم ہے کہ ل - م - ص - ی حروف ہیں -

ایک دفعہ رمضان میں مولانا غلام حسن صاحب نے مولوی میر حسن صاحب سے فرمایا کہ ہمارے ہاں قرآن سننے والے کم ہیں ، آپ ہمارے ساتھ تراویح کی نماز پڑھا کریں - حافظ میراں بخش قاری تھے - مولانا غلام حسن صاحب تراویح کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے - مولوی میر حسن صاحب آٹھ رکعتیں ان کے ساتھ پڑھتے اور باقی بارہ اپنے گھر میں ادا کر کے بیس پوری کر لیتے - جب پوچھا گیا کہ آپ وہیں کیوں نہیں بیس پڑھ لیتے ؟ تو بولے کہ مولانا غلام حسن صاحب ہمارے دوست ہیں - خواہ مخواہ دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہیے -

میں نے خود دیکھا کہ لوٹے میں پانی آپ کے پاس ہوتا اور موسم کی گرمی کے باعث گرم ہو جاتا مگر وہ اسی سے روزہ افطار کرتے اور سوکھی روٹی کھا لیتے -

آخری وقت تک ، جب کہ عمر اسّی سال کے قریب تھی ، پوری نماز ، جس میں نوافل اور سنّتیں بھی شامل ہیں ، کھڑے ہو کر پڑھتے تھے -

ڈاکٹر صاحب کو بٹیروں کا بڑا شوق تھا - مولانا سید میر حسن اس میں دخل نہیں دیتے تھے -

مولوی صاحب کو کریلے ، دال اور آم کا اچار بہت پسند تھا۔
ڈاکٹر صاحب کے والد نہایت خوب صورت آدمی تھے ۔ رنگ سرخ ، ڈاڑھی سفید ، چکن کی ٹوپی ، بہت کم گو تھے ۔ چھڑی ہاتھ میں لے کر نکلتے ۔ نظر ہر وقت سامنے رکھتے ، ادھر اُدھر نہ دیکھتے ۔ سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دادا مسلمان ہوئے تھے ۔ تحقیقی طور پر کچھ معلوم نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کے والد کی عمر نوے سال کے قریب ہوئی ۔ ۱۹۲۸ع میں وفات پائی (صحیح یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے والد کی وفات ۱۹۳۰ع میں ہوئی) ۔

مولوی میر حسن صاحب ہمیشہ مجھے ساتھ رکھتے ۔ ایک دفعہ غلام حسن کے صاحبزادے کی شادی تھی اور ان کے وطن ساھووالی جانا تھا ۔ مجھے فرمایا کہ تم بھی اسٹیشن پر آ جانا ۔ لیکن جب میں اسٹیشن پر پہنچا تو ٹرین چھوٹ چکی تھی ۔ میں اگوکے اسٹیشن پر پیدل پہنچا اور وہاں مولوی صاحب سے ملا ۔ اگوکے سے ہم ساھووالی گئے اور کھانا کھا کر پیدل واپس ہوئے ۔ مولوی صاحب بہت آہستہ آہستہ چلتے تھے ۔ برسات کا موسم تھا ، راستے میں پانی بھی تھا ۔ ایک دو مرتبہ میں نے انھیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر پانی سے پار کیا ۔

مولانا غلام حسن کے صاحبزادوں مولانا عبداللہ اور عبدالواحد میں جدّی جائداد تقسیم کرانے میں مولوی صاحب ثالث مقرر ہوئے تھے ۔ مولوی صاحب ہر آٹھویں دن دو روپے بھنا لیتے تھے اور

خاندان کے تمام بچوں میں پیسہ پیسہ دو دو پیسے تقسیم کرتے رہتے تھے۔ مولوی صاحب اپنی تنخواہ میں سے ٦٠ روپے گھر دیتے تھے، ٣٠ روپے اپنے چھوٹے صاحبزادے سیّد ذکی شاہ کو دیتے تھے اور باقی اپنے پاس رکھتے تھے۔ ان کے دو بڑے صاحبزادے اچھے عہدوں پر مامور تھے۔ سیّد ذکی شاہ کی تنخواہ کم تھی اس لیے ان کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ پڑوس کی ایک سکھ عورت ان سے خط لکھوانے آتی تھی، اس کے لیے پوسٹ کارڈ بھی اپنے پاس سے دیتے۔

زندگی میں ان سے صرف ایک غلطی سرزد ہوئی؛ یعنی نکاحِ ثانی کر لیا تھا۔ دوسری بیوی ان کے عزیزوں میں سے تھی۔ پہلے ان کی شادی مولوی صاحب کے چھوٹے بھائی سے ہوئی تھی مگر عدمِ مطابقت کی بنا پر مفارقت ہو گئی۔ مولوی صاحب نے والدہ صاحبہ کے کہنے پر خود اس سے نکاح کر لیا۔ یہ اہلیہ انھیں بہت تنگ کرتی تھی مگر مولوی صاحب تمام تکلیفیں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے اسے میرے نفس کی اصلاح کے لیے مقرر کیا ہے۔

سائیں کیسر شاہ کے ساتھ مولوی صاحب کا تعلق اپنے دوست اللہ داد کے سبب سے ہوا۔ سائیں صاحب عجیب آدمی تھے۔ ایک مرتبہ باہر نکلے۔ عمر دین نوکر ساتھ تھا۔ ایک براہمن شرادھ کا کھانا اٹھائے لیے جا رہا تھا۔ سامنے سے ایک بھنگن آتی تھی۔ سائیں کیسر شاہ نے دیکھا کہ بھنگن کھانے کو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے

دیکھ رہی ہے - گھر پہنچ کر ایک پنڈت کو بلوایا اور کہا کہ جتنا روپیہ چاہو لے لو اور شرادھ کا اعلیٰ درجے کا کھانا تیار کرواؤ - سب کچھ تیار کروا کے آدمیوں سے اٹھوایا اور پورا کھانا بھنگیوں کی آبادی میں بھیج دیا تاکہ سب میں تقسیم ہو جائے - اس طرح اس بھنگن کی خواہش بھی پوری ہو جائے جو براہمن کے کھانے کو للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی -

•سائیں کیسر شاہ نے ایک سؤر بھی پال رکھا تھا - اردگرد کے علما نے فیصلہ کیا کہ ان کا حقّہ پانی بند کر دیا جائے - ایک دن مقرر کیا کہ سب علما سائیں کیسر شاہ کے گاؤں پہنچیں - سائیں نے یہ سنا تو اپنے •ملازم عمر دین سے کہا کہ مولوی صاحبان ہمارا حقّہ پانی بند کرنے کے لیے آ رہے ہیں - ذرا ان کے لیے کھانے کی تیاری کر لو - چنانچہ اسی وقت ایک گدھے پر گیہوں لدوا کر بھیج دیا کہ آٹا پس کر آ جائے - دو بکرے بھی منگوا لیے - علما نے یہ سنا تو ان کے گاؤں جانے کا ارادہ ترک کر دیا -

(ہم نے ان واقعات پر تعجب کا اظہار کیا تو پروفیسر صاحب نے سنایا) یہاں ایک سائیں دانے شاہ تھے - ایک مرتبہ ایک مرید نے پوچھا کہ قرآن میں بار بار ''فبای آلاء ربکما تکذبان'' آیا ہے - اس کی کیا وجہ ہے؟ دانے شاہ نے کہا : (پنجابی)

''بھائی تینوں نہیں پتا - بھٹیا ہویا سائیں بار بار اڑنگدا اے - اِہو تاں آپ خدا اے -''

مولوی صاحب کے شاگرد کنورسین وقتاً فوقتاً کچھ رقم ہدیے کے طور پر مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔

اُس بازار میں، جسے آج کل اقبال سٹریٹ کہتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے والد کی دکان کے قریب ایک سرمہ رگڑنے والے بوڑھے کی دکان بھی تھی۔ بھیم سین، کنورسین، میرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور مولوی صاحب کبھی کبھی اس کے پاس بھی بیٹھا کرتے تھے۔ میں ایک دفعہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟" میں نے کہا "بجاروں بجار"۔ مولوی صاحب بڑے خفا ہوئے۔ فرمایا "یہ کیا بولی ہے۔ کہیے بازار میں سے آئے۔"

ہمارے ہاں ایک صاحب کریم بخش تھے، جن کا نام بعد میں عبدالکریم مشہور ہوگیا۔ میرزا غلام احمد صاحب سے وابستہ ہو گئے تھے۔ بعض اوقات بڑی سخت باتیں کہہ دیا کرتے تھے۔ اہل بیت کے متعلق ان کی بعض عجیب باتیں مشہور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس شعر میں انہی کی طرف اشارہ کیا ہے:

بغض اصحابِ ثلاثہ سے نہیں اقبال کو
دق مگر اک خارجی سے آکے مولائی ہوا

ان کی نظم "ابرِ گہربار" کے بعض شعروں میں بھی انہی عبدالکریم کی طرف اشارہ ہے، مثلاً:

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

۱۹۰۸ء میں جب اقبال انگلستان سے واپس وطن تشریف لائے تو سیالکوٹ کی مشہور جامع مسجد دو دروازے والی میں ایک روز انھوں نے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کیا اور بڑی اچھی اچھی علمی اور دینی باتیں بتائیں ۔ ان کی تقریر کے دوران میں کسی نے سوال کیا کہ خدا کی ہستی کس طرح ثابت ہوتی ہے؟ اقبال نے اس کے جواب میں پہلے اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا :

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے، پر سرا ملتا نہیں

پھر کہا کہ عالمِ انسانیت کی وہ عظیم ہستی، جس کو نبوت ملنے سے پہلے ہی لوگ صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے، فرماتے ہیں کہ خدا موجود ہے، اس لیے ہمیں اس بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہیے ۔ میرے نزدیک خدا کی ہستی پر سب سے بڑی دلیل خود پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنا وجود ہے اور ہمیں بے چون و چرا ان کی بات پر یقین کر کے اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت دینا چاہیے ۔

☆ ☆ ☆

علی بخش

[علی بخش ، ڈاکٹر صاحب کا سب سے پرانا جاں نثار ملازم
تھا ۔ وہ موضع اٹل گڑھ ضلع ہوشیارپور کا رہنے والا تھا ۔
اُس نے ابتدائی دور سے لے کر وفات تک علامہ کا ساتھ
دیا ۔ جاوید اور منیرہ کو گودوں کھلایا ۔ عزیز محترم
جاوید اقبال نے بھی اُسے اپنے ہاں بدستور رکھا ۔ وہ
لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کے مختلف
حالات جتنے علی بخش کو معلوم تھے ، غالباً کسی
دوسرے کو معلوم نہیں تھے ۔ البتہ وہ علمی باتوں سے
آشنا نہیں تھا ۔ اس سے ملاقات کے بعد جو کچھ معلوم
ہوا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے] ۔

۱

میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہ ملازمت کے لیے لاہور آیا ۔ شہاب الدین
درزی کے پاس ہمارا ایک رشتہ دار ملازم تھا ۔ میں اُسی کے پاس
آ کر ٹھہرا ۔ فیض محمد ، بابو فتح دین اور مولوی حاکم علی ایک
مکان میں رہتے تھے ۔ مولوی حاکم علی مشن کالج میں پروفیسر
تھے ۔ مجھے ان کے پاس ملازمت مل گئی اور میں ان کے ہاں تین چار

ماہ رہا ـ بعد میں وہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوگئے تھے ـ

٢

ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق اس طرح ہوا کہ مولوی حاکم علی صاحب نے ایک چٹھی دے کر مجھے ان کے پاس بھیجا ـ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس چٹھی میں کیا لکھا ہے ـ لیکن ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ بھائی ! تم ہمارے پاس آ جاؤگے تو اچھے رہوگے ـ ان کا اصرار دیکھ کر میں نے اپنے بھائی کو بلا لیا ـ اسے مولوی حاکم علی کے پاس رکھوا دیا اور خود ڈاکٹر صاحب کے پاس چلا آیا ـ

٣

ڈاکٹر صاحب کچھ مدت کے بعد ولایت چلے گئے اور مجھے انھوں نے اپنے بھائی کے پاس ہنگو (نزدِ کوہاٹ) بھیج دیا ـ وہاں میرا دل نہ لگا اور میں واپس آ کر پہلے اسلامیہ کالج اور پھر مشن کالج میں ملازم رہا ـ ایک دن سیّد تقی شاہ ابن مولانا میر حسن مرحوم سے میری ملاقات ہوگئی ـ انھوں نے کہا کہ علی بخش ! میں تیری تلاش میں تھا ـ ولایت سے شیخ صاحب کا خط آیا ہے کہ علی بخش کو تلاش کرو (تمام دوست اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کو 'شیخ صاحب' ہی کہتے تھے کیونکہ وہ اس وقت تک ڈاکٹر نہیں ہوئے تھے) ـ وہ نوکر ہونا ہے کہ وہ میرا انتظار کرے ـ میں نے کہا کہ

میں اب ملازم ہوں ۔ وہ بولے کہ شیخ صاحب کا تاکیدی خط آیا ہے ۔ جو وہ چاہتے ہیں وہی کرو ۔

۴

ڈاکٹر صاحب ولایت سے واپس آئے تو پھر مجھے پیغام بھیجا ۔ میں اُس وقت مشن کالج میں تھا ۔ ان سے ضلع کچہری میں ملا ۔ فرمایا کہ ملازمت چھوڑ کر ہمارے ہاں چلے آؤ ، بہت اچھے رہو گے ۔ چنانچہ میں کالج کی ملازمت چھوڑ کر پھر ان کے پاس آ گیا ۔

۵

میری شادی ہوگئی تھی لیکن میری بیوی میرے لاہور آنے سے پیشتر فوت ہو چکی تھی ۔ میرے گھر والوں نے دو تین مرتبہ دوسری شادی کا انتظام کیا ۔ میں ہر چیز ڈاکٹر صاحب سے پوچھ کر کرتا تھا ۔ جب کبھی اپنی شادی کے بارے میں پوچھا ، آنھوں نے فرمایا کہ علی بخش ! ضروری ہے کہ پہلے کھانے پینے کا انتظام کرو ، پھر شادی مناسب ہوگی ۔ اس سبب سے دوبارہ شادی کرنے کی نوبت ہی نہ آئی ۔

٦

ڈاکٹر صاحب کے خسر ڈاکٹر عطا محمد کے فرزند غلام محمد کو ولایت جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب ہی نے ڈاکٹر

عطا محمد سے کہہ کر ان کو ولایت بھجوایا ۔ وہ ولایت سے میم
لے آئے اور پہلی منکوحہ بیوی کو چھوڑ دیا ۔ ڈاکٹر صاحب سخت
ناراض ہوئے کہ پہلی بیوی کو کیوں چھوڑ دیا ۔

۷

ڈاکٹر صاحب کی زندگی بہت سادہ تھی ۔ لیکن میں ایک بات
کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ جو خود کھاتے
تھے وہی نوکروں کو بھی کھلاتے تھے ۔ نوکروں کے لیے کبھی الگ
کھانا نہیں پکتا تھا ۔

ایک موقع ایسا آیا کہ ہمارے لیے گھر سے دال پک کر آئی
جس میں گھی بھی نہیں ڈالا گیا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کو اتفاق سے یہ
بات معلوم ہوگئی ۔ گھر میں پہنچے تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا
کہ یہ چیز تم نے نوکروں کو نہیں کھلائی ، مجھے کھلائی ۔ میں
ایسی بات کبھی برداشت نہیں کر سکتا ۔ نوکر ہمارے دست و بازو ہیں ،
ہم ان کے پروں پر اڑتے ہیں ، ہمارے سب کام ان کے سہارے چلتے
ہیں ۔ یہ بات بہت بری ہے کہ کھانے میں ان کو الگ رکھا جائے ۔

۸

والدۂ جاوید کے ساتھ شادی کا قصہ یوں ہے کہ ڈاکٹر صاحب
کی والدہ اور میں کسی کے بتانے پر سلطان بخش درزی کے ہاں گئے
جن کی فرم کمرشل بلڈنگ میں تھی ۔ سلطان بخش کی ہمشیرہ سے شادی

کرنے کا خیال تھا ۔ وہاں سے لوٹے تو ایک مائی ، جو سیالکوٹ کی رہنے والی تھی ، ڈاکٹر صاحب کی والدہ سے ملی ۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ کو جانتی تھی ، اس لیے پوچھا ”بی بی ادھر کیسے آنا ہوا ؟“ ڈاکٹر صاحب کی والدہ نے قصہ سنایا کہ اپنے چھوٹے لڑکے کے لیے موزوں رشتے کی تلاش میں ہوں ۔ اُس مائی نے کہا ”چلو میں آپ کو موزوں رشتہ دکھاتی ہوں“ ۔ اس طرح وہ مائی ، جس کا نام عزت تھا ، ہمیں والدۂ جاوید کے گھر لے گئی ۔ انھیں دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب کی والدہ کو اطمینان ہوگیا ۔ اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ یہ رشتہ بہت موزوں ہے ۔

۹

ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی معراج بیگم جب بیمار ہوئیں تو بہت علاج کرائے گئے ۔ صاحبزادی کو خنازیر کا مرض تھا ۔ ہمارے ہوشیارپور میں ایک اَن پڑھ حکیم تھا ، عمر بہت ہو چکی تھی ، ہم اُسے ”بابا“ کہتے تھے ۔ وہ خنازیر کے علاج کا ماہر تھا ۔ میں اُسے بھی ایک مرتبہ ہوشیارپور سے لایا تھا اور صاحبزادی کو دکھایا تھا ۔ پھر اُس سے دوائیں بھی لایا تھا ۔

(نوٹ : ہمارے سوال پر علی بخش نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی کا انتقال سیالکوٹ میں ہوا ۔ وہیں ان کا علاج ہوتا رہا) ۔

۱۰

لدھیانے والوں نے یہ کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کوٹھی لے لیں ، ہم روپیہ دیں گے ۔ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں کوٹھی میں رہنا منظور کر لوں گا لیکن اس شرط پر کہ مجھ سے اُس وقت تک کوٹھی کا کرایہ لیا جائے جب تک میں کوٹھی کا روپیہ ادا نہ کر دوں ۔ لدھیانے والے غلام محمد (برادرِ زوجہٴ علامہ صاحب) اپنی بہن کے نام کوٹھی لینا چاہتے تھے ۔ رستم جی والی کوٹھی دیکھی گئی ۔ پھر یہ معاملہ بیچ ہی میں رہ گیا ۔

۱۱

ڈاکٹر صاحب وِلایت جانے سے پیشتر بھاٹی گیٹ کے اندر رہا کرتے تھے ۔ پھر دوسرے مکان میں منتقل ہوئے ۔ ولایت سے واپسی کے بعد گلاب سنگھ کے چھاپہ خانے کے پاس کوٹھی لی ۔ پھر انارکلی میں دیر تک رہے ۔ وہاں سے منتقل ہوئے تو میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں کافی وقت گزارا ۔ یہاں سے میو روڈ والی کوٹھی میں آگئے جس کا نام ”جاوید منزل“ ہے ۔

۱۲

ڈاکٹر صاحب کے پاس ابتدا میں ایک ہندو منشی ڈبی چند بھی رہا ۔ پھر منشی طاہر الدین کو مقرر کیا ۔ منشی جی کام بہت

لاتے تھے اور کاہن چند منشیانے کے متعلق جھگڑا کرتا رہتا تھا ۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد کاہن چند کو جواب دے دیا گیا ۔

۱۳

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تین بیویاں تھیں ۔ جس وقت تینوں اکٹھی ان کے پاس تھیں ، ڈاکٹر صاحب سلوک میں ذرا بھی فرق گوارا نہ کرتے تھے ۔ سب کے لیے ایک ہی وضع کا کپڑا ، ایک ہی وضع کے جوتے اور ایک ہی وضع کا زیور بنواتے تھے ۔ جب کوئی چیز منگواتے تو سب کے لیے منگواتے ۔

۱۴

ڈاکٹر صاحب کی لدھیانے والی اہلیہ کا بھائی غلام محمد ڈاکٹر سبحان علی کے بچوں کا گارڈین بن گیا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ غلام محمد ، ڈاکٹر سبحان علی کی لڑکیوں کی شادی اس وجہ سے نہیں کرتا کہ دولت باہر نہ چلی جائے تو اس پر سخت ناراض ہوئے ۔ فرمایا کہ تم لڑکیوں کا حق مارتے ہو اور ان کی شادی میں روڑے اٹکاتے ہو ۔

۱۵

ڈاکٹر صاحب کی زندگی بہت سادہ تھی ۔ وہ پہننے کے لیے کپڑا خریدنے بھی خود نہ جاتے تھے ۔ منشی طاہرالدین کپڑا خرید کر

لاتے ۔ درزی عبدالرحمان کو ایک مرتبہ ناپ دے دیا گیا تھا ۔ بس اسی ناپ کے مطابق کپڑا سل جاتا ۔ کبھی خیال نہ کیا کہ یہ ٹھیک ہے یا نہیں ۔ جو کپڑا ہم لے آتے ، اسی کو پہن لیتے ۔ کبھی کپڑے کی وضع قطع یا رنگ کے متعلق کوئی سوال نہ کیا ۔

۱۶

حد یہ ہے کہ پہلی مرتبہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلے میں ولایت کی تیاری ہوئی تو مجھے اور منشی طاہر الدین کو حکم دیا کہ ایک ڈریسنگ گون بھی لے آؤ ۔ کسی نے بتا دیا تھا کہ تولیے کے گون بھی ملتے ہیں جو غسل کے بعد پہنے جاتے ہیں ۔ ہم ویسا ایک گون لے آئے ۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب سردیوں کے زمانے میں ولایت جا رہے تھے اور گرم ڈریسنگ گون بہت ضروری تھا ، لیکن آپ نے کچھ خیال نہ فرمایا اور وہی گون پہنے رہے جو ہم لائے تھے ۔

۱۷

ڈاکٹر صاحب شروع ہی سے مشہور آدمی تھے ۔ ہر روز بے شمار آدمی ان سے ملنے اور مشورے لینے کے لیے آتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب حسب عادت ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے ۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب حیدر آباد سے تشریف لائے تو ان کا ارادہ تھا کہ وہ کرم آباد سے ایک اخبار نکالیں ۔ مگر جب انھوں نے ڈاکٹر

صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ کرم آباد میں اخبار چلنا مشکل ہے ، اس لیے آپ اسے لاہور میں لے آئیے اور یہیں کام کیجیے ۔ مولوی صاحب مان گئے اور چند دن بعد ان کا اخبار ''زمیندار'' لاہور سے چھپنا شروع ہوگیا ۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب ''زمیندار'' کے لیے ہر روز ایک نظم لکھتے تھے اور انھی نظموں کی وجہ سے اخبار بکا بھی کرتا تھا ۔ مگر بعد میں جب یہ اخبار چل نکلا تو اسی میں ڈاکٹر صاحب کی مخالفت میں ایسی باتیں کہی گئیں جن سے انھیں بہت دکھ پہنچا ۔ مگر انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ سچائی کا راستہ ہے اور کسی دن مخالفوں کو بھی اسی راستے پر چلنا پڑے گا ۔ کچھ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا بھی کہ وہ اس سلسلے میں کچھ لکھیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا ۔

۱۸

ڈاکٹر صاحب رات کو بہت کم سوتے تھے ۔ ویسے بھی لوگ رات گئے تک ان کے پاس بیٹھے رہتے تھے ۔ مگر جب وہ چلے جاتے تب بھی سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہتے ۔ اس عالم میں اکثر ان کی آنکھیں خود بخود اشک بار ہو جاتیں ۔ کبھی کبھی ہچکیاں لے کر رونے لگتے ، کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے اور ان کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا سکون اور نور پیدا ہو جاتا ۔ ان کی نیند بھی بہت ہلکی تھی ۔ سوتے وقت اگر ان کے پاس سے چوہا

بھی گزر جاتا تو آنکھ کھل جاتی اور مجھے آواز دیتے ۔ ”علی بخش! کیا بات ہے؟“

——اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتے ۔ میں ہر وقت ان کے قریب ہی رہتا تھا ۔ رات کو بھی میری چارپائی ان سے زیادہ دور نہیں ہوتی تھی ۔ چنانچہ جوں ہی ان پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ، وہ پکار کر کہتے :

”علی بخش ! کاغذ پنسل لاؤ“

اور میں فوراً انھیں یہ دونوں چیزیں مہیّا کر دیتا ۔ عام طور پر شعر کہتے وقت ان کا چہرہ تھوڑا سا سرخ ہو جاتا اور آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو جاتی ، مگر جب وہ شعر لکھ لیتے تو تکیے پر سر رکھ کر بڑے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیتے ، جیسے سر سے کوئی بھاری بوجھ اُتر گیا ہو ۔ شروع شروع میں میری سمجھ میں کوئی بات نہ آتی تھی ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب شاعر ہیں اور ان کے شعر کہنے کا یہی انداز ہے ۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ شعر ، شاعر اور شاعری کا مطلب بہت دیر بعد میری سمجھ میں آیا ۔

۱۹

صبح کی نماز اور قرآن خوانی ہمیشہ سے ان کا معمول تھا ۔ قرآن شریف بلند آواز سے پڑھتے تھے ۔ آواز ایسی شیریں تھی کہ ان کی

زبان سے قرآن مجید سن کر پتھر دل بھی موم ہو جاتے تھے ۔ بیماری کے زمانے میں اس معمول میں فرق آ گیا تھا ۔ نماز بھی کم پڑھتے تھے ۔ انتقال سے کچھ عرصہ پیشتر مجھ سے کہنے لگے ''علی بخش ! میرا جی چاہتا ہے کہ آج نماز پڑھوں ۔'' میں نے کہا ''آپ پلنگ پر بیٹھ جائیے ۔ میں آپ کو وہیں بیٹھے بیٹھے وضو کرا دیتا ہوں ۔'' وضو کر چکے تو میں نے کہا ''ڈاکٹر صاحب ! میں نے مہر صاحب کو بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۔ خدا جانے کیا بات ہے ؟'' کہنے لگے ''ہاں مجبوری کی حالت میں یہ بھی جائز ہے ۔''

جن دنوں بھائی دروازے میں رہتے تھے ، ایک دفعہ پورے دو مہینے بڑی باقاعدگی سے تہجّد کی نماز پڑھتے رہے ۔ ان دنوں ان کا عجیب حال تھا ۔ قرآن مجید اس خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ جی چاہتا تھا بس سارے کام کاج چھوڑ چھاڑ کر انھی کے پاس بیٹھا رہوں ۔ اُس زمانے میں کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا ۔ صرف شام کو تھوڑا سا دودھ پی لیا کرتے تھے ۔ خدا جانے اس میں کیا رمز تھی ۔

۲۰

ڈاکٹر صاحب کو ولایت سے آئے کوئی ڈھائی تین سال ہوئے تھے کہ انھوں نے یکایک ملازمت چھوڑ دی ۔ ان کے سب ملنے والوں کا خیال تھا کہ نوکری چھوڑنے میں انھوں نے غلطی کی ہے ،

کیونکہ اس طرح انھیں ہر مہینے ایک لگی بندھی رقم مل جاتی تھی ، اور پھر آگے چل کر ترقی کے بھی بہت سے موقعے تھے ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو ملازمت چھوڑنا ہی اچھا معلوم ہوا ۔ جس دن وہ استعفیٰ دے کر آئے ، میں نے پوچھا کہ شیخ صاحب ! آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی ؟ کہنے لگے : ”علی بخش ! انگریز کی ملازمت میں بڑی مشکلیں ہیں ۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنھیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں ، مگر انگریز کا نوکر رہ کر انھیں کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا ۔ اب میں بالکل آزاد ہوں ، جو چاہوں کروں اور جو چاہوں کہوں ۔ شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے ، اب نکل جائے ۔“

۲۱

میرے رشتہ داروں کو میرا لاہور میں رہنا پسند نہیں تھا ۔ سب یہی کہتے تھے کہ تم اب گرہستی ٹھہرے ۔ لاہور کو چھوڑو اور یہیں آ کے رہو ۔ نوکری میں ہزار آرام سہی مگر گھر کا سا آرام کہاں ؟ کئی دفعہ میرا جی بھی نوکری چھوڑ کر گھر چلے جانے کو چاہا لیکن ڈاکٹر صاحب سے یہ بات کہنے کا حوصلہ نہ پڑا ۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب دن بھر کے کاموں سے فرصت پا کر گھر آئے اور کھانا کھا کر حقہ پینے لگے تو میں نے جی کڑا کر کے کہا ”شیخ صاحب ! میں گھر جانا چاہتا ہوں ۔“ وہ حقہ پیتے پیتے رک

گئے اور کہنے لگے "کیوں خیر ہے ؟" میں نے کہا "اب میرا جی لاہور میں نہیں لگتا ۔ چاہتا ہوں کہ گھر چلا جاؤں اور باقی عمر اپنے کنبے میں گزار دوں" ۔ ڈاکٹر صاحب بولے "کیا تم نے سچ مچ ارادہ کر لیا ہے ؟" میں نے کہا "جی ہاں !" انھوں نے تین بار یہی بات پوچھی اور میں نے ہر بار یہی جواب دیا کہ میں اب لاہور میں نہیں رہ سکتا ۔ وہ کہنے لگے "اچھا کب جاؤ گے ؟" میں نے کہا "اجازت ہو تو ابھی چلا جاؤں" ۔ فرمایا "تمھاری مرضی ۔"

میں نے بوریا بندھنا اٹھایا اور اجازت چاہی تو کہنے لگے "علی بخش ! میرا جی چاہتا ہے کہ تم میرے ہی پاس رہو ۔" میں نے کوئی جواب نہ دیا ۔ وہ پھر کہنے لگے "میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمھیں نہ جانے دوں گا ۔ ہاں اگر تم چھٹی لے کر جانا چاہو تو اور بات ہے ۔ جب جی چاہے گھر ہو آیا کرو ۔ کوئی روکتا تھوڑے ہی ہے ۔ بلکہ اچھا تو یہ ہے کہ سال میں کچھ عرصہ چھٹی کا مقرر کر لو اور یہ دن اپنے گھر میں گزار آیا کرو ۔"

میں نے ارادہ تو پکا کیا تھا کہ اب لاہور میں نہیں رہوں گا لیکن ڈاکٹر صاحب کی باتیں سن کر ارادہ ٹوٹ گیا ، اور جب انھوں نے پوچھا "کیوں یہ بات منظور ہے ؟" تو میری زبان سے صرف اتنا نکلا "جی ہاں شیخ صاحب !" وہ پھر کہنے لگے "کیوں اب مجھے چھوڑ کے تو نہیں جاؤ گے ؟"۔ پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کے قدموں میں ساری عمر گزار دی ۔

۲۲

کانگڑہ کے زلزلے میں لاہور پر بھی بڑی آفت آئی ۔ شہر میں بہت سے مکان گرے ۔ ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا ۔ میرا یہ حال تھا کہ کبھی گھبرا کر کوٹھے پر چڑھ جاتا اور کبھی نیچے آ جاتا ۔ ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹے کتاب پڑھ رہے تھے ۔ لیکن جس طرح لیٹے تھے ، اسی طرح لیٹے رہے ، ذرا ہلے جلے تک نہیں ۔ ہاں میری بے تابی دیکھ کر ایک دفعہ کتاب پڑھتے پڑھتے سر اٹھایا اور کہا ''علی بخش ! یوں بھاگے بھاگے نہ پھرو ۔ سیڑھیوں میں کھڑے ہو جاؤ ۔'' یہ کہہ کر پھر اسی اطمینان سے کتاب پڑھنے لگے ۔

زلزلے کے بعد گھر سے نکلا، تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کے دوست شیخ عبدالقادر کا مکان گر پڑا ہے ۔ شیخ صاحب اس وقت ولایت میں تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ خبر سن کر بہت افسوس ہوا اور اسی وقت انھیں یہاں کے سارے حالات لکھ بھیجے ۔

ڈاکٹر صاحب کو خود نمائی سے بہت نفرت تھی ۔ وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ہاتھ چوم کر یا جھک کر اپنی عقیدت کا اظہار کریں ۔ مجھے ایک واقعہ خاص طور سے یاد ہے ؛ الہ آباد والے جلسے کے سلسلے میں (جہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں پاکستان کا بنیادی تصور پیش کیا تھا) جب ڈاکٹر صاحب الہ آباد گئے تو وہاں ان کا بہت بھاری اور عظیم الشان جلوس نکلا ۔ اس وقت ان کے ساتھ میرے علاوہ ملک لال دین قیصر

اور شمس الدین خاور مرحوم بھی تھے - جب یہ جلوس شہر کے بازاروں سے گزر رہا تھا تو کئی لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے قریب آ کر مجمع میں روپے لٹائے - ڈاکٹر صاحب یہ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور روپے پھینکنے والوں کو منع کر دیا کہ وہ ایسا نہ کریں - چنانچہ وہ رک گئے ، مگر ڈاکٹر صاحب دیر تک اس واقعے پر رنج اور افسوس کا اظہار کرتے رہے -

۲۳

ڈاکٹر صاحب کو حج کرنے کی بڑی آرزو تھی - وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ علی بخش ! خدا نے چاہا تو ہم اگلے سال ضرور حج کو چلیں گے اور تم میرے ساتھ ہو گے ، مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا کہ ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکتی - اس کا انھیں بڑا قلق ہوتا اور وہ حسبِ معمول اگلے سال پھر حج کو جانے کے منصوبے باندھنے لگتے - ان کا یہ ذوق و شوق دیکھ کر کئی اور لوگ بھی ان کی معیت میں حج کو جانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے - ان میں ایک "حافظ دیگاں والا" بھی تھا - وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا - راستے میں آپ کے لیے کھانا تیار کر دیا کروں گا اور اس بہانے حج کی سعادت بھی نصیب ہو جائے گی - ڈاکٹر صاحب اس کی باتیں سن کر آبدیدہ ہو جاتے تھے -

وفات سے چند ماہ پیشتر وہ حج کرنے کے لیے اور بھی بے تاب نظر آتے تھے ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب میں حج کو جاؤں گا تو راستے میں ایک اور کتاب لکھوں گا ۔ اس کتاب کے متعلق وہ اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کے منہ سے یہ جملہ بھی نکلتا تھا کہ یہ کتاب میری آخری کتاب ہوگی ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ حج کے لیے روانہ ہو جاتے تو پھر حرمین شریفین سے واپس نہ آتے ۔

زندگی کے آخری ایام میں ایک دن کہنے لگے ”علی بخش ! اب تو حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ میرے حج کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مگر تم ضرور حج کروگے ۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد جب مجھے بیت اللہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی تو مجھے یوں لگا جیسے ڈاکٹر صاحب میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں اور ان کی یاد آتے ہی میری ہچکیاں بندھ گئیں ۔

☆ ☆ ☆

۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء

خواجہ فیروزالدین بیرسٹر ایٹ لاء

[خواجہ فیروز الدین مرحوم چونکہ ڈاکٹر صاحب کے ہم زلف تھے ، اس قریبی رشتے کی بنا پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آپ کا گہرا میل جول رہا - ہمارے تصور کے مطابق وہ اکثر خانگی معاملات پر زیادہ روشنی ڈال سکتے تھے اور ان کے بیانات کو زیادہ سے زیادہ مستند حیثیت حاصل ہو سکتی تھی - اسی لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان سے بھی ملاقات کر لی جائے - ان کی روایات ذیل میں درج ہیں] -

۱

(ہم نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب کو ابتدا میں آپ نے کب دیکھا ؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ) میں ۱۹۰۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا - ڈاکٹر صاحب وہاں پروفیسر کی حیثیت سے ہمیں فلسفہ پڑھایا کرتے تھے - میں منطق کے متعلق ان سے کلاس میں سوالات کرتا تھا - ان سوالات کے باعث وہ مجھے ایک

حد تک خوشگوار طریق پر متاثر کرتے تھے - یہیں ان کے ساتھ میرے تعلقات کی ابتدا ہوئی -

۲

اُس زمانے میں میرے والد میری شادی کے سلسلے میں ڈاکٹر عطا محمد کے پاس پہنچے جن کی بڑی صاحبزادی ڈاکٹر اقبال سے بیاہی جا چکی تھی - ڈاکٹر اقبال اُس زمانے میں بہ سلسلہٗ تعلیم لندن جا چکے تھے - ڈاکٹر عطا محمد نے رشتے کے سلسلے میں میرے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی تو ڈاکٹر اقبال کو بھی ولایت ایک خط لکھا - میں اس اثنا میں سالانہ امتحان میں فیل ہوگیا ، اس لیے کہ ریاضی مجھے بالکل نہیں آتی تھی اور اس زمانے میں ریاضی کا مضمون لازمی تھا - چنانچہ ڈاکٹر عطا محمد نے رشتے سے انکار کردیا - پھر ڈاکٹر اقبال کا خط آیا جس میں تاکیداً لکھا تھا کہ یہ رشتہ بہت ہی اچھا ہے ، ضرور منظور کر لینا چاہیے - ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا - اس میں میری بڑی تعریف لکھی تھی کیونکہ ڈاکٹر صاحب میرے والد اور دوسرے افرادِ خاندان کو بھی جانتے تھے - میں اُس زمانے میں علی گڑھ کالج میں داخل ہو چکا تھا - ڈاکٹر عطا محمد نے خود سر مہدی شاہ کو کیمبل پور میرے والد کے پاس بھیجا کہ ہمیں رشتہ پسند ہے ، ہم منظور کرتے ہیں - اس طرح میری طالب علمی کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب نے بطور استاد جو تاثرات میرے متعلق قائم کیے تھے وہ

رشتے کے سلسلے میں میرے معاون ہوئے ۔ ڈاکٹر صاحب ہی کی سفارش سے مجھے ان کا ہم زلف بننے کا موقع ملا اور ۱۹۰۹ع میں میری شادی ہوگئی ۔

۳

ڈاکٹر صاحب کی پہلی اولاد ایک بیٹی تھی جو آفتاب اقبال سے بڑی تھی ۔ اس کا نام معراج بیگم تھا ۔ خدا نے اسے سیرت و صورت دونوں سے ایسا نوازا تھا کہ ہزاروں میں فرد تھی ۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بچوں کو لے کر گجرات چلی گئی تھیں ۔ وہاں بچی بیمار ہوگئی ۔ ڈاکٹر صاحب کو بے حد خیال تھا کہ بچے اور ان کی والدہ ان کے پاس رہیں تاکہ بچی کا پورا علاج ہوسکے ۔ انھیں یہ خیال بھی تھا کہ میری بچی بہت عقل مند ہے ، وہ اپنی والدہ کو ضرور راضی کر سکتی ہے ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور بچی گجرات میں فوت ہوگئی ۔

(ہم نے عرض کیا کہ خواجہ صاحب ! بچی کی قبر تو ڈاکٹر صاحب کے والد اور والدہ کی قبر کے ساتھ سیالکوٹ میں ہے ۔ خواجہ صاحب نے اس پر تعجب ظاہر کیا اور فرمایا کہ میرے نزدیک تو انتقال گجرات میں ہوا تھا ۔ ممکن ہے میت کو سیالکوٹ لے گئے ہوں) ۔

۴

میں نے ڈاکٹر صاحب کی نظم پہلے پہل انجمن کے جلسے میں ۱۹۰۳ع یا ۱۹۰۴ع میں سنی ۔ اس سال خواجہ حالی مرحوم بھی تشریف لائے تھے ۔ انجمن کی رپورٹیں دیکھ کر معلوم کر لو؛ جس سال خواجہ حالی آئے، یہ واقعہ اسی سال کا ہے ۔

۵

یہ بھی بتا دوں کہ خان احمد حسین خان، علامہ اقبال کو اپنا حریف سمجھتے تھے ۔ ان کے بعض دوستوں نے ہم میں سے بعض طالب علموں کو دس دس روپے دیے کہ جب خان صاحب نظم پڑھیں تو انھیں ہار پہنائے جائیں اور ان پر پھولوں کی بلرش کی جائے ۔ اس طرح میں بھی اس جلسے میں شریک ہوا ۔

٦

مولانا حالی کو دیکھنے کے لیے خلقت دور دور سے آئی تھی اور بڑا ہجوم تھا ۔ لوگوں نے خواجہ حالی کو دیکھتے ہی کہا کہ نظم سنائیں ۔ اتفاق یہ کہ خواجہ صاحب نظم گھر بھول آئے تھے ۔ جب شور مچا تو انھوں نے ایک رباعی سنائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ نظم کل سناؤں گا ۔ اس پر شہزادہ مرزا ارشد گورگانی نے ایک قطعہ کہا

جو یہ ہے :

سنتے ہیں کہ اس بزم میں حالی آئے
سننے کو ہیں حالی و موالی آئے
کیا شوق ہے کیا خوف ہے کیا گھبراہٹ
بھول آئے ہیں نظم ، گھر سے خالی آئے

اگلے دن خواجہ صاحب نظم لے کر آئے مگر جب سنانے لگے تو آواز بلند نہ تھی کیونکہ مجمع زیادہ تھا اور سب لوگوں تک آواز نہیں پہنچتی تھی ۔ خواجہ صاحب نے کچھ شعر سنائے تو لوگوں نے شور مچایا کہ اقبال سے پڑھوائیے ۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو خواجہ صاحب کی نظم پڑھنے کے لیے دی گئی تو انھوں نے پہلے یہ رباعی پڑھی :

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
جاری ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

پھر خواجہ صاحب کی نظم نہایت پُراثر لے میں سنائی :

(یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے ۔ خواجہ صاحب نے جو نظم لکھی تھی وہ "جواہراتِ حالی" کے صفحہ ۴۵ پر چھپی ہے اور کُل چھ بند ہیں) ۔

۷

اس سال ڈاکٹر صاحب نے نظم کے ساتھ حسبِ معمول ایک طویل قطعہ بھی لکھا تھا ۔ نظم پڑھنے سے پہلے چھپوا لی جاتی تھی ۔ چونکہ اس قطعے میں اُس زمانے کے غلط اندیش مولویوں پر چُبھتے ہوئے فقرے کسے گئے تھے لہٰذا ''پیسہ اخبار'' کے مطبع نے اس قطعے کو چھاپنے سے انکار کردیا ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر قطعے میں ایک شعر بڑھا دیا ۔ وہ شعر یہ ہے :

آج کل لوگوں میں ہے انکار کی عادت بہت
نام محبوبانِ عالم[1] کا یوں ہی بدنام ہے

۸

میں نے ڈاکٹر صاحب کی اَور نظمیں بھی سنیں ، مثلاً :

اے مہِ عید بے حجاب ہے تو

اور :

نہیں منّت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری

اس آخری نظم میں ایک شعر یہ بھی تھا :

نجف میرا مدینہ ہے ، مدینہ ہے مرا کعبہ
میں بندہ اَور کا ہوں اُمّتِ شاہِ ولایت ہوں

۱۔ چونکہ ''پیسہ اخبار'' کے مالک کا نام 'محبوب عالم' تھا اس وجہ سے 'محبوبانِ عالم' کا ذکر آیا ۔

اس شعر سے بعض لوگوں میں خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ بدل گیا ہے۔ چنانچہ اس جلسے کے بعد کچھ لوگ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پہنچے اور یہ شعر سنا کر مستفسر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ گول مول باتیں کر کے انھیں ٹال دیا ۔

۹

میں نے نظم 'شکوہ' بھی ڈاکٹر صاحب سے انجمن کے جلسے میں سنی ۔ جب طرابلس والی نظم :

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں

شاہی مسجد میں پڑھی گئی تھی ، اُس وقت بھی میں موجود تھا ۔

۱۰

(خواجہ صاحب نے فرمایا) یہ بھی بتا دوں کہ ڈاکٹر صاحب کو ''سر'' کا خطاب کیسے ملا ؟ ہم ہائی کورٹ کے بار روم میں بیٹھے تھے ۔ گورنر کی چٹھی ڈاکٹر صاحب کے نام آئی کہ کھانا میرے ساتھ کھائیے ۔ سر شفیع سے ڈاکٹر صاحب نے مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ضرور جانا چاہیے ۔ یہ دعوت پرائیویٹ ہے ، پبلک نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب دعوت میں شریک ہوئے۔ وہاں ''لنڈن ٹائمز'' کا نامہ نگار بھی موجود[1] تھا ۔ وہ ایشیا کا دورہ کر کے آیا تھا ۔

۱۔ اس کا نام یاد نہیں رہا ۔

اس نے بتایا کہ میں لاہور نہیں آنا چاہتا تھا - صرف آپ کو (ڈاکٹر صاحب کو) دیکھنے کے لیے آیا ہوں - میں ایران کے وزیر تعلیمات سے ملا تھا تو اس نے آپ کی مثنوی ''اسرارِ خودی'' کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ اس مثنوی نے وسط ایشیا میں بیداری پیدا کر دی ہے - کابل کے وزیر تعلیمات سے ملا تو اس کے پاس بھی آپ کی مثنوی دیکھی - وہاں سے لاہور کا قصد کیا - گورنر سے آپ کا ذکر آیا تو اُنھوں نے کہا کہ میں ڈاکٹر صاحب کو دعوت پر بلا کر ملاقات کروا دیتا ہوں - اس تقریب میں گورنر صاحب کو خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کوئی خطاب ملنا چاہیے -

سر شادی لال اُس زمانے میں چیف جسٹس ہو گئے تھے - ان کے کان میں کہیں سے بھنک پڑ گئی کہ گورنمنٹ ڈاکٹر صاحب کو خطاب دینا چاہتی ہے - اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ بہت کام کرتے ہیں - ہم سے نہیں ملتے - میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ''خان بہادر'' کا خطاب مل جانا چاہیے - ڈاکٹر صاحب خاموش رہے - اس کے چند دن بعد 'سر' کے خطاب کا اعلان ہو گیا -

۱۱

ایک لطیفہ بھی سن لیجیے : ڈاکٹر صاحب نے ایک ملازم گھر کے کام کاج کے لیے رکھا تھا - اس کا نام عاشق تھا اور گجرات کا رہنے والا تھا - دو دن کام کرنے کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب کے پاس

آیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب ! میں یہاں نہیں رہنا چاہتا ۔ پوچھا ''بھائی کیا بات ہے ؟'' اس نے کہا ''یہاں کی ہر چیز نرالی ہے ۔ دھوبی ہی کو لے لیجیے ۔ آنا کپڑا دو جب لے لیتا ہے ، دو پیسے دو جب لے لیتا ہے ، کچھ نہ دو جب لے لیتا ہے ۔'' ڈاکٹر صاحب یہ سن کر بہت ہنسے اور خصوصاً آخری فقرے کی بہت تعریف کی ۔

۱۲

ایک اور لطیفہ سن لیجیے ۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب بار روم میں بیٹھے تھے ۔ ان کے مقدمے کا نمبر ساتواں یا آٹھواں تھا ۔ اُنھیں خیال تھا کہ لنچ کے بعد باری آئے گی ۔ لیکن پونے گیارہ بجے چپراسی آیا کہ مقدمہ پیش ہو گیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب اُٹھے اور گون کھونٹی پر سے کھینچنے لگے ۔ پھر فرمایا کہ غور سے دیکھا تو ہاتھ چودھری شہاب الدین کے منہ پر تھا ۔

۱۳

ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خسر ڈاکٹر عطا محمد صاحب (ساکن گجرات) حافظِ قرآن تھے ۔ وہ مدت تک عرب میں رہے تھے ، اس وجہ سے ان کے گھر میں عربی خاصی بولی اور سمجھی جاتی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ بھی بے تکلف عربی بولتی تھیں ۔

۱۴

ڈاکٹر عطا محمد کے صاحبزادے ڈاکٹر غلام محمد ۱۹۲۱ء میں

پنڈی میں فوت ہوئے ۔ میم ان کا سارا روپیہ اور سامان لے گئی ۔ پندرہ بیس ہزار روپے ڈاکٹر عطا محمد نے بھی دیے ۔ چونکہ پانچ لڑکیوں کے ساتھ ایک لڑکا تھا لہٰذا ڈاکٹر عطا محمد کو بیٹے کے انتقال کا سخت صدمہ پہنچا اور یہی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا ۔

۱۵

ڈاکٹر عطا محمد حافظِ قرآن تھے اور ہر وقت قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے ۔ راجہ سکندر خاں فاتحہ کے لیے ان کے پاس گئے اور بولے کہ ڈاکٹر صاحب ! آخر سب کو مرنا ہے ، صبر کیجیے ۔ جو غم ملا ہے ، اس کو برداشت کیے بغیر چارہ نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ''آپ کی بات تو ٹھیک ہے مگر قدرت نے ذرا بے قاعدگی کی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کا مطلب یہ تھا کہ پہلے مجھے مرنا چاہیے تھا ۔ ۱۹۱۸ء میں وہ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تھے ۔ پھر مالیر کوٹلہ میں سینیٹر ہو گئے ۔ ۱۹۲۲ء میں ان کا انتقال ہوا ۔

۱٦

ہم نے خواجہ صاحب سے ''بازارِ حکیماں'' کی مجالس کے متعلق پوچھا جن میں خواجہ صاحب کے والد خواجہ رحیم بخش اور ڈاکٹر صاحب شرکت کیا کرتے تھے ۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ حکیم شہباز الدین کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوتے تھے : ڈاکٹر صاحب ، حکیم شہباز الدین ، مولوی احمد الدین ، شیخ گلاب دین ، خلیفہ

نظام الدین ، خواجہ رحیم بخش ، خواجہ امیر بخش اور خواجہ کریم بخش ۔

بازار حکیماں والے مجمع میں چودھری شہاب الدین اور شیخ عبدالقادر بھی شامل ہوتے تھے ۔ سر فضل حسین بھی کبھی کبھی آ جاتے تھے ۔ اس مجمع کو لوگ "ہاؤس آف لارڈز" کہا کرتے تھے ۔ اس میں شامل ہونے والے کئی لوگ بعد میں "سر" ہو گئے تھے ؛ مثلاً سر محمد اقبال ، سر عبدالقادر ، سر فضل حسین اور سر شہاب الدین ۔

۱۷

ایک اور لطیفہ سنیے ؛ اس مجمع میں کبھی کبھی تاش بھی کھیلی جاتی تھی ۔ ایک مرتبہ سر فضل حسین اور سر محمد اقبال ایک دوسرے کے بالمقابل "تُرپ" کھیل رہے تھے کہ سر فضل حسین نے کہا "میرا رنگ 'اینٹ' ہے" ۔ ڈاکٹر اقبال بے تکلف بولے کہ بھائی ! اس رنگ کے ساتھ تو تمھارا "بیر تھا ، تم نے اینٹ کیوں بولی ؟ پنجابی میں مثل ہے کہ "اینٹ اور کتے کا "بیر" یہ اسی طرف اشارہ تھا ۔

۱۸

حکیم شہباز الدین کے انتقال کے بعد یہ مجمع اُس چبوترے پر ہونے لگا جو حکیم امین الدین کے مکان کے سامنے تھا ۔

☆ ☆ ☆

۱۹- اکتوبر ۱۹۵۲ع

مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لاء

[مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لاء لاہور ، اقبال کے اُن ساتھیوں میں سے تھے جو کم و بیش سولہ سترہ برس ان کے ہمراہ نواب سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی ''زر افشاں'' واقع کوئینز روڈ پر جمع ہوتے تھے اور گھنٹوں صحبت گرم رہتی تھی - ہم نے ۱۹- اکتوبر ۱۹۵۲ع کی شام کو انھیں نواب زادہ خورشید علی خاں کی کوٹھی واقع ظفر علی روڈ میں ملاقات کی دعوت دی تاکہ نواب زادہ خورشید علی خاں ابنِ نواب سر ذوالفقار علی خاں کی موجودگی میں ہم ان سے علامہ اقبال کے متعلق کچھ دریافت کر سکیں - ہمارا منشا یہ تھا کہ ہم انھیں اُسی قدیم فضا میں لے جائیں جس میں وہ عمرِ رفتہ کو آسانی سے آواز دے سکیں - اور اگر وہ کوئی بات بھول جائیں تو نواب زادہ صاحب انھیں یاد دلا سکیں - ہم دو تین بجے سہ پہر سے لے کر آٹھ بجے شام تک ان سے متفرق باتیں سنتے اور پوچھتے رہے - اس کے بعد بھی یہ سلسلہ مختلف اوقات میں کئی دن جاری رہا - سب سے اول انھوں نے اپنے خاندانی حالات بیان کیے اور فرمایا] :

۱

ہمارے اجداد پنجاب کی شاہی املاک کی حفاظت و نگرانی اور انتظام کے لیے لاہور آئے تھے ۔ تمام تاریخی عمارتیں ، جن میں مقبرۂ جہانگیر بھی شامل تھا ، ہماری تحویل میں تھیں ۔ انگریزوں کی آمد کے بعد جب تمام آثار قدیمہ سرکاری نگرانی میں چلے گئے تو مقبرۂ جہانگیر بھی ہمارے قبضے سے نکل گیا ۔ ہم نے دعویٰ کیا جو پریوی کونسل تک گیا اور فیصلہ ہوا کہ بے شک ہم حق دار ہیں لیکن یہ عمارتیں سرکاری نگرانی میں رہیں گی ۔ ہمارے حقِ معاوضہ کے طور پر تحصیل چونیاں میں ۸۰ مربعے زمین دے دی گئی ۔ اس کے بعد بھی ہم عرصے تک شہنشاہ جہانگیر کے عرس پر ۱۵۰ روپے سالانہ صرف کرتے رہے ۔

انگریزی عہد میں ہمارے خاندان کے مرزا اعظم بیگ نے ممتاز حیثیت حاصل کی ۔ پنجاب میں یہ پہلے شخص تھے جن کو ای ۔ اے ۔ سی کا عہدہ ملا ۔ تحصیل چونیاں میں اعظم آباد انھی کے نام پر مشہور ہے ۔ انھوں نے ضلع گجرات کی تاریخ بھی لکھی تھی ۔ ایک مرتبہ سرسیّد لاہور آئے تو مولانا شبلی اور مولانا حالی کو مرزا اعظم بیگ کے پاس اعظم آباد بھیجا ۔ چنانچہ انھوں نے کالج کے لیے پانچ ہزار روپے دیے ۔

اس وقت تمام پڑھے لکھے آدمی ہمارے (مرزا جلال الدین کے) مکان پر جمع ہوا کرتے تھے ۔ شیخ عبدالقادر مرحوم بھی آتے تھے ،

اس لیے میرے ساتھ ان کی شناسائی تھی ۔ میں ۱۹۰۰ع میں بیرسٹری کرنے کے لیے ولایت چلا گیا ۔ شیخ عبدالقادر میرے بعد گئے تو انھوں نے اپنے پہنچنے کا تار مجھے بھی دیا ۔ میں ان کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر آیا ۔ بارش کی وجہ سے پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی ۔ شیخ صاحب اتر کر پاس کے ہوٹل میں چلے گئے تھے ۔ میں پتہ لے کر ہوٹل میں گیا ۔ سامان ابھی کھولا نہیں گیا تھا ۔ ان کا سامان اٹھا کر میں انھیں اپنے مکان میں لے گیا اور وہ دو ہفتے تک میرے ہی پاس رہے ۔

۲

میں ۱۹۰۵ع میں ولایت سے وطن واپس آیا تو راستے میں قسطنطنیہ بھی ٹھہرا ، جہاں مرزا اعظم بیگ کے صاحبزادے مرزا اکبر بیگ کے بچے رہتے تھے ۔ شیخ عبدالقادر نے مجھے تاکید کی تھی کہ لاہور پہنچ کر شیخ محمد اقبال سے ضرور ملنا کیونکہ وہ ولایت آنا چاہتے ہیں ۔ اور جو معلومات وہ حاصل کرنا چاہیں ، انھیں بہم پہنچانا ۔ شیخ صاحب نے براہِ راست بھی ایک خط اقبال کو لکھ دیا تھا ۔ میں آیا تو موجودہ ریلوے روڈ اور چیمبرلین روڈ کے چوک میں دفتر لیا ۔ مولانا سید ممتاز علی مرحوم کا دفتر دارالاشاعت پنجاب اس کے قریب ہی تھا ۔ اقبال ، مولوی صاحب ہی کی وساطت سے میرے پاس آئے اور ولایت کے قیام ، تعلیم اور اس سفر کے متعلق ضروری چیزوں کے بارے میں دیر تک باتیں

کرتے رہے ۔ میں نے ان کی نظمیں پڑھی تھیں لیکن پہلے
کبھی انھیں دیکھا نہیں تھا ۔ وہ جلد ولایت جانے والے تھے ۔
پہلی ملاقات کے بعد رخصت ہوتے وقت کہا کہ میں ایک بار پھر
ملوں گا ۔

اقبال کی عمر اس وقت غالباً تیس (۳۰) برس کے قریب
ہوگی ۔ ان کے چہرے کے خدوخال کی موزونیت ، ان کے قدوقامت
کا تناسب اور ان کے جسم کی ساخت ان تمام نمایاں خصوصیات
کی حامل تھی جن کی وجہ سے پنجابی ہر جگہ ممیّز کیے جاتے ہیں ۔
ان کے چہرے پر ایسی بشاشت نظر آتی تھی جو آخر دم تک
ان کے ساتھ رہی اور وفات کے بعد بھی ان کے چہرے سے عیاں
تھی ۔ چھدری مونچھیں اور آنکھوں پر الجھے ہوئے ابرو عین اسی
طرح تھے جس طرح میّت کے آخری دیدار پر مجھے نظر آئے ۔
میری ملاقات کے وقت ان کی روشن اور بشاش آنکھیں صاف ظاہر
کرتی تھیں کہ ان کے دن خوش وقتی اور اطمینان میں بسر ہو رہے
ہیں ۔ ان امور کے علاوہ اقبال کے چہرے یا ان کی حرکات و سکنات
سے کوئی ایسی بات مترشّح نہ ہوتی تھی جس سے میں اقبال کے
متعلق اندازہ لگا سکتا کہ کوئی دن جاتا ہے اس شخص کے افکار ،
انسانی خیالات کی دنیا میں ہیجان و انقلاب کا موجب ہوں گے ۔
مگر اس میں شک نہیں کہ ملاقات کے دوران میں میرا خیال رہ رہ
کر ان کی شاعرانہ حیثیت کی طرف منتقل ہوتا رہا ۔

ہماری ملاقات مختصر اور رسمی تھی - بس یوں سمجھ لیجیے کہ وہ سوال کرتے رہے اور میں جواب دیتا رہا - یا یوں کہیے کہ وہ خاموشی سے سنتے رہے اور میں انگلستان کی زندگی کے متعلق اس قسم کے افسانے سناتا رہا جو ہمارے نوجوان اس ملک سے لوٹنے پر اپنی فتوحات کے سلسلے میں سنایا کرتے ہیں۔

جب دوسری مرتبہ اقبال ملے تو پھر بھی ولایت ہی کے متعلق مختلف باتیں پوچھتے رہے - علمی بات نہ میں نے چھیڑی نہ انھوں نے کی - تھوڑے دن بعد سنا کہ وہ ولایت روانہ ہوگئے ہیں - یوں شیخ عبدالقادر کے ساتھ تعلق کے باعث میری ڈاکٹر صاحب سے سرسری شناسائی ہوئی -

۳

میں نے ابتدا میں ضلع کچہری میں پریکٹس شروع کی - وہاں مولوی احمد دین اور شیخ گلاب دین معزز وکیلوں میں شمار ہوتے تھے - ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں - ڈاکٹر صاحب چونکہ ولایت جانے سے پہلے بھاٹی دروازے میں رہتے تھے اور شیخ گلاب دین کے ہم وطن بھی تھے ، اس لیے مولوی احمد دین اور شیخ گلاب دین سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے - یہ دونوں ڈاکٹر صاحب کی تعریفیں کرتے رہتے تھے - میں نے کہا ''اچھا بھائی ! ڈاکٹر صاحب ولایت سے آئیں گے تو پھر ان سے خوب باتیں ہوں گی -''

۴

شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر صاحب سے پہلے ہی بیرسٹری پاس کر کے واپس آگئے ۔ لاہور میں ان کا بڑا شان دار استقبال ہوا اور جلوس نکالا گیا ۔ اُس زمانے میں یہ بات بڑی عجیب تھی ۔ بڑے بڑے انگریز افسر بھی اس استقبال سے بہت متاثر ہوئے ۔ اگلے دن گورنمنٹ ہاؤس میں ایک پارٹی تھی ۔ ہم نے شیخ عبدالقادر کو بھی ایک دعوت نامہ بھجوا دیا ۔ وہاں چیف کورٹ (اُس زمانے میں ہائی کورٹ نہیں تھا) کے چیف جج مسٹر کنگ نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کون آدمی تھا جس کا کل پرجوش استقبال ہوا ؟ میں نے شیخ عبدالقادر کو لے جا کر ملوا دیا اور اُن کی بڑی تعریف کی ۔ چیف جج نے کہا "شیخ صاحب ! آپ کا استقبال خوب ہوا ۔"

۵

جب ڈاکٹر صاحب کے آنے کی خبر ملی تو سب دوستوں نے فیصلہ کیا کہ ان کا استقبال بھی اعلیٰ پیمانے پر کیا جائے ۔ بھاٹی دروازے کے باہر باغ میں شامیانے لگائے گئے ، لوگوں کے لیے چائے کا انتظام کیا گیا ۔ شیخ گلاب دین صاحب تمام دوستوں کی طرف سے اس انتظام کے ذمہ دار تھے ۔ اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کے لیے کھانے کا انتظام بھی کیا ۔ اُس زمانے میں دلی کی طرف سے گاڑی دن کے گیارہ بارہ بجے آتی تھی ۔ بہت سے دوست ریلوے اسٹیشن پر

پہنچے ۔ یہ استقبال شیخ عبدالقادر جیسا تو نہ تھا ، پھر بھی خاصا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کو لے کر ہم بھاٹی دروازے آئے ۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے ۔ وہاں ان کے خیرمقدم میں نظمیں پڑھی گئیں ۔ پھر ان سے نظم کی فرمائش ہوئی مگر انھوں نے معذرت کردی ۔ شیخ گلاب دین کے ہاں کھانا کھانے کے بعد وہ اسٹیشن چلے گئے کیونکہ اسی روز وہ سیالکوٹ پہنچنا چاہتے تھے ۔

۶

تین چار دن کے بعد ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب سیالکوٹ سے آئے ۔ ہم نے ان کے کہنے پر موہن لال روڈ پر ، جسے آج کل اردو بازار کہتے ہیں، گلاب سنگھ کے چھاپہ خانے کے پاس ڈاکٹر صاحب کے لیے ایک دفتر کرایے پر لیا ۔ لائبریری کا انتظام کیا اور منشی طاہر دین (مرحوم) کو بطور منشی کے تجویز کیا ۔ دفتر وہاں اس لیے لیا تھا کہ ہم سب کی رائے یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کو بیرسٹری کا کام ضلع کچہری میں شروع کرنا چاہیے اور یہ دفتر ضلع کچہری سے قریب تھا ۔ ایک دو روز بعد ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے اور باقاعدہ کام شروع کردیا ۔

۷

ڈاکٹر صاحب اس دفتر میں دو تین مہینے رہے ۔ ضلع کچہری کے کام پر ان کی توجہ نہیں جمتی تھی اور وہ اسے پسند نہیں کرتے تھے ۔

پھر اُنھوں نے کہا کہ کوئی اَور دفتر لو ۔ اس دوران میں انارکلی میں وہ مکان خالی ہوگیا تھا جہاں سر محمد شفیع (مرحوم) کا دفتر تھا ۔ چنانچہ ہم نے وہ مکان ڈاکٹر صاحب کے لیے لے لیا جہاں وہ ۱۹۲۲ء تک رہے ۔[۱]

میری رہائش اُن دنوں چیمبرلین روڈ پر تھی ۔ اس قربِ مکانی کی وجہ سے ان سے ملنے جلنے میں مجھے اور بھی سہولت ہوگئی ۔ انھی ایام میں میاں شاہنواز مرحوم بھی ہم سے آ ملے ۔ وہ ہمارے ایسے جلیس ہوئے کہ ان کے وقت کا اکثر حصہ ہمارے پاس بسر ہوتا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے وکالت شروع کی تو اُنھوں نے ضلع کچہری پر چیف کورٹ کو ترجیح دی اور براہِ راست وہیں پریکٹس شروع کردی ۔

۱- مرزا صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ضلع کچہری میں کام کرنا پسند نہ کیا ۔ چنانچہ ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کرنے کی غرض سے موہن لال روڈ والا دفتر چھوڑا اور دوسرا دفتر لیا جو ہائی کورٹ سے ذرا قریب تھا ۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کے لیے انارکلی والا مکان اس خیال سے بھی لیا گیا تھا کہ وہاں سر شفیع مرحوم دیر تک رہے تھے اور یہ مکان ایک مشہور وکیل کی وجہ سے خاصا مشہور ہو چکا تھا ۔ اسی میں ڈاکٹر صاحب کا دفتر تھا اور اسی میں وہ رہتے بھی تھے ، بلکہ ان کے منشی طاہر الدین بھی اسی مکان کے عقبی حصے میں مقیم ہوگئے ۔ مدت ہوئی یہ مکان منہدم کرا کے نئی عمارت بنا دی گئی ہے ۔ اب پہلے مکان کی وضع و ہیئت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

۸

اسی زمانے میں محکمۂ تعلیم کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے
پاس درخواستیں آئیں کہ آپ محکمے میں ملازمت کرلیں ، آپ کو
امپیریل سروس میں لے لیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے انکار کردیا۔
محکمۂ تعلیم والے اصرار کرتے رہے۔ آخر انھوں نے درخواست کی کہ
اگر آپ مستقل ملازمت نہیں کر سکتے تو ایک دو گھنٹے کے لیے فلسفے
پر لیکچر دے دیا کریں۔ اس میں یہ دقت تھی کہ لیکچر کے لیے
جو وقت مقرر تھا وہی وقت ہائی کورٹ میں مقدموں کے لیے تھا۔
چنانچہ محکمۂ تعلیم نے چیف جج کو لکھا کہ مہربانی فرما کر ڈاکٹر
صاحب کے مقدمات ایک بجے کے بعد لیے جایا کریں۔ چیف جج نے
اسے منظور کر لیا۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب ایک دو گھنٹے روزانہ
گورنمنٹ کالج میں لیکچر دینے لگے۔ مگر بعد میں محکمۂ تعلیم
پنجاب نے ان سے درخواست کی کہ وہ وکالت سے کلی طور پر علٰحدگی
اختیار کر کے کالج کے شعبۂ فلسفہ کی کرسی کو زینت دیں۔ اس
ضمن میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو آئی۔ ای۔ ایس میں لینے
کا وعدہ بھی کیا۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب آئی۔ ای۔ ایس کے
کچھ زیادہ مشتاق نہ تھے کہ وکالت ایسا آزاد پیشہ ترک کر کے
اپنے پاؤں میں بیڑی ڈال کر بیٹھ جاتے۔ اس پر انھوں نے کالج سے
تعلقات منقطع کر لیے اور وکالت پر اکتفا کی۔

۹

اس زمانے میں بار روم میں ایسے افراد بکثرت تھے جو بعد ازاں جلیل‌القدر عہدوں پر فائز ہوئے ۔ یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب لالہ شادی لال ، مولوی شاہ دین ، میاں محمد شفیع ، میاں فضل حسین ، لالہ لاجپت رائے ، پنڈت شیو نرائن شمیم اور دیگر کئی ناموروکلا ابھی پریکٹس کے مدارج طے کر رہے تھے ۔ اقبال بھی اسی عہد میں بار روم میں داخل ہوئے ۔ وہ اپنے مقدمات کی تیاری میں خاص انہماک سے کام لیتے تھے اور بڑی محنت سے ان کو تیار کرتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں ظرافت کو بہت دخل تھا ۔ وہ فارغ اوقات میں بار روم میں بیٹھ کر جب اپنی پُرلطف گفتگو میں ظریفانہ انداز اختیار کرتے تو متعدد افراد ان کے گرد جمع ہو جاتے ۔ ہندوؤں میں پنڈت شیو نرائن شمیم کو اقبال سے خاص اُنس تھا اور وہ ڈاکٹر صاحب کی باتوں میں خاص دلچسپی لیتا تھا ۔ اس دوران میں میرے اور ڈاکٹر صاحب کے تعلقات بہت گہرے ہوگئے تھے ۔ ہمارا معمول یہ تھا کہ ہم دس بجے کے قریب چیف کورٹ پہنچتے ۔ مقدمات شروع ہونے تک اِدھر اُدھر کی گپ چلتی اور جب کوئی مقدمہ ختم ہو جاتا تو دوسرے کے شروع ہونے تک پھر بار روم میں آ جاتے ۔ منشی طاہر دین کی جیب میں قینچی سگریٹ کی ڈبیا پڑی رہتی ۔ ڈاکٹر صاحب سگریٹ سلگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور لطائف و پُرمذاق باتوں سے وقت کاٹتے ۔ بعد میں

میں تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ اکثر عدالتِ عالیہ کے کام سے فارغ ہوکر وہ میرے ہمراہ میرے دفتر میں تشریف لے آتے اور رات کو دیر تک میرے ہی پاس ٹھہرے رہتے۔

انھی ایّام میں علامہ اقبال کی ملاقات نواب سر ذوالفقار علی خاں مرحوم کے ساتھ ہوگئی۔ اسی طرح سر جوگندر سنگھ سے بھی مراسم قائم ہوگئے۔ سر ذوالفقار مرحوم، اقبال اور میں کبھی نواب صاحب کے دولت کدے پر اور کبھی میرے دفتر میں قریب قریب بلاناغہ ملا کرتے۔ ہمارے باہمی تعلقات ایسے گہرے تھے کہ سر میاں محمد شفیع مرحوم اور میاں فضل حسین مرحوم ہمیں Trio (اصحابِ ثلاثہ) کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ بعد میں اس ٹرایو میں شیخ اصغر علی صاحب (ریٹائرڈ فینانشل کمشنر پنجاب) کا بھی اضافہ ہوگیا۔ مگر انھیں ملازمت کی متعدد مصروفیات کی وجہ سے ملنے کا زیادہ وقت نہ ملتا تھا۔ سر عبدالقادر بھی لائل پور جانے سے پہلے کبھی کبھی اس بزم کو رونق بخشتے اور یوں یہ حلقۂ احباب پھیل گیا اور اس کی دل کشی میں بھی ایک گونہ اضافہ ہوگیا۔

۱۰

اقبال انگلستان سے تشریف لائے تو اُن کی عظمت زیادہ تر ان کی بلند پایہ شاعری کی وجہ سے تھی۔ لوگ ان کے تبحّرِ علمی اور ژرف نگاہی سے واقف نہ تھے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد احمدیہ جماعت

کی طرف سے ، جو ابھی قادیانی اور لاہوری پارٹی کے جھگڑوں میں نہ اُلجھی تھی ، کیلیاں والی سڑک پر ایک جلسہ منعقد ہوا ۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ایک ُپرمغز مقالہ پڑھا جس میں مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ مضمون انگریزی میں تھا جس کی زبان اس قدر عالمانہ تھی کہ ہر شخص کا فہم و ادراک اُس کو سمجھنے سے قاصر تھا ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لوگوں کے دلوں پر آن کی بالغ نظری ، عالمانہ استعداد اور فلسفیانہ لیاقت کا نہایت گہرا اثر ہوا اور وہ آئندہ کے لیے ایک جلیل القدر شاعر کے علاوہ ایک رفیع المرتبت عالم بھی سمجھے جانے لگے ۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک گگ لے لی تھی اور اسی میں کچہری جایا کرتے تھے ۔ اسے بعض اوقات خود چلاتے تھے ۔ گھوڑے کی دیکھ بھال کے لیے ایک پوربیا ملازم تھا ۔ میرے ساتھ تعلقات بہت زیادہ ہوگئے تھے ۔ میں بھی اس زمانے میں ضلع کچہری کو چھوڑ کر ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کر چکا تھا ۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کچہری سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب اپنی گگ کو واپس بھیج دیتے ۔ میری کار میں سوار ہو کر میرے دفتر آ جاتے اور شام وہیں گزارتے ۔ بعض دفعہ رات کے گیارہ بارہ بجے گھر واپس جاتے ۔ ایسا بھی ہوا کہ رات میرے ہی پاس رہے اور صبح کو گھر گئے ۔

۱۱

اقبال دیگر اساتذہ کے کلام کے بھی دل دادہ تھے ۔ خواجہ حالی مرحوم کے مسدّس کے تو عاشق تھے ۔ میرے پاس ریاست ٹونک کا ایک شائستہ مذاق شخص ملازم تھا ۔ اسے ستار بجانے میں خاصی دسترس حاصل تھی اور وہ مسدّس حالی ستار پر ایک خاص طرز سے سنایا کرتا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب التزام کے ساتھ ہر دوسرے تیسرے روز اُس سے مسدس سُننے کی خواہش کرتے ۔ حضور سرور کائناتؐ کی تعریف میں وہ بند :

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اُنھیں بطورِ خاص مرغوب تھا ۔ اُس کو سنتے ہی ان کا دل بھر آتا اور وہ اکثر بے اختیار ہو کر رو پڑتے ۔ اسی طرح کوئی عمدہ نعت سنائی جاتی تو اُن کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں ۔

۱۲

نواب ذوالفقار علی خاں مرحوم ۱۹۰۰ء میں ولایت سے واپس آ کر لاہور میں مقیم ہوئے اور فیروزپور روڈ پر ، جسے اب کوئینز روڈ کہتے ہیں ، اپنی چھوٹی کوٹھی میں رہنے لگے ۔ بڑی کوٹھی ''زرفشاں'' کے نام سے مشہور تھی ۔ فقیر جلال الدین ، نواب صاحب کے ہم جماعت تھے ۔ نواب صاحب میرے عزیز مرزا اعظم بیگ صاحب کے پاس بھی جاتے تھے ۔ مولانا سیّد ممتاز علی سے بھی تعلقات گہرے

تھے ۔ ان کے پاس اگرچہ گھوڑا گاڑی تھی ، موٹریں ابھی نہیں آئی تھیں ، لیکن نواب صاحب گھوڑا گاڑی پر کم سوار ہوتے تھے اور بائیسکل پر مولانا سیّد ممتاز علی صاحب کے پاس آتے جاتے تھے ۔

مجھے خیال آیا کہ اپنے دفتر کو چھوڑ کر باہر کوئی کوٹھی لے لوں ۔ اتفاق سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب اپنی چھوٹی کوٹھی کرایے پر دے رہے ہیں ۔ میں نے ان کے پاس اپنا آدمی بھیجا ۔ انھوں نے آدمی سے کہا کہ مرزا صاحب سے کہنا کہ کل چائے میرے ساتھ پئیں ۔ کوٹھی بھی ان کو مل جائے گی ۔ اس طرح میرا تعلق نواب صاحب سے قائم ہوا ۔ کوٹھی تو میں نے نہ لی مگر یہ تعلق گہری دوستی کی شکل اختیار کر گیا اور میرے ساتھ ڈاکٹر صاحب بھی نواب صاحب کے گہرے دوست بن گئے ۔

سر جوگندر سنگھ اور سردار امراؤ سنگھ بھی نواب صاحب کے نہایت عزیز دوست تھے ۔ ان ہی کے ہاں میرے اور ڈاکٹر صاحب کے تعلقات ان لوگوں سے استوار ہوئے ۔

نواب صاحب نئی کوٹھی بنوا چکے تھے ۔ میں اور ڈاکٹر صاحب روزانہ شام کی چائے ان کے ہاں پیتے تھے اور زیادہ وقت وہیں گزارتے تھے ۔ کچہریوں میں تعطیل ہوتی تو ہم دوپہر کا کھانا بھی انھی کے ہاں کھاتے تھے ۔

۱۳

اس وقت تک سر شفیع مرحوم مسلمانوں کے لیڈر سمجھے جاتے

تھے - تمام جلسوں کے صدر بھی وہی ہوتے تھے - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ ، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ ، مولوی محمد علی ، امیر جماعت احمدیہ اور خواجہ کمال الدین کی رائے یہ تھی کہ ڈاکٹر اقبال مسلمانوں کی قیادت کے زیادہ حق دار ہیں - انھوں نے ایک مرتبہ جلسہ کیا تو صدارت کے لیے ڈاکٹر صاحب کا نام تجویز کیا - ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میری جگہ نواب ذوالفقار علی خاں کو صدر بنایا جائے - پھر دو تین جلسے احمدیہ بلڈنگ کے احاطے میں بھی ہوئے - دو تین جلسے اسلامیہ کالج کے احاطے میں ہوئے - ان سب میں نواب سر ذوالفقار علی خاں ہی صدر بنائے گئے - ایک مرتبہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک میٹنگ ٹاؤن ہال میں ہوئی - اس کے صدر سر محمد شفیع مرحوم تھے - پھر مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ برکت علی محمڈن ہال میں ہوا - سر محمد شفیع کا خیال تھا کہ اس دوسرے جلسے کا صدر بھی ان کو بنایا جائے گا ، لیکن اس جلسے کا صدر نواب ذوالفقار علی خاں کو بنایا گیا - اس طرح باہم ایک نوع کی کش مکش پیدا ہو گئی -

(ہم نے سوال کیا کہ یہ دو الگ الگ جلسے کس معاملے میں ہوئے تھے ؟ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مجھے یاد نہیں) -

۱۷

پھر کونسل کی رکنیت کے لیے انتخاب کا موقع آیا تو سر شفیع

چاہتے تھے کہ انھیں منتخب کیا جائے مگر ہماری خواہش تھی کہ نواب صاحب منتخب ہوں ۔ اتفاق سے سر بھرام خان مزاری بلوچ لاہور آگئے ۔ انھوں نے یہ فیصلہ کرایا کہ پہلی مرتبہ سر شفیع کو ممبر بنایا جائے ، دوسری مرتبہ نواب سر ذوالفقار علی خاں بنیں ۔ چنانچہ اس فیصلے کے مطابق سر محمد شفیع ممبر بن گئے ۔ نواب سر ذوالفقار علی خان کو مہاراجہ پٹیالہ نے اپنی ریاست کا پرائم منسٹر بنا لیا ۔ سر جوگندر سنگھ وہاں ھوم منسٹر تھے ۔ تین سال تک یہ دونوں صاحبان پٹیالہ میں رہے ۔

۱۵

لاہور میں ایک کلب پہلے سے موجود تھی ۔ اس میں ہندوؤں کا بڑا زور تھا ۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی الگ کلب بنا لیں ۔ چنانچہ میکلوڈ روڈ پر ایک کوٹھی لی اور کلب بنا لی ۔ یہ بڑے اونچے پیمانے پر چلتی رہی ۔ پہلے میاں شاہ دین اس کے صدر اور میاں شفیع اس کے سکریٹری تھے ۔ پھر سر شفیع اس کے صدر بنے اور مجھے اس کا سکریٹری بنایا گیا ۔ برسوں میں اس عہدے پر رہا ۔ میں اور ڈاکٹر اقبال روزانہ اس کلب میں جایا کرتے تھے ۔

اس کلب کا ایک دلچسپ واقعہ سن لیجیے : مولانا ظفر علی خان ترکی سے واپس آئے تو ممبروں کی خواہش ہوئی کہ ان کو کھانے کی دعوت دی جائے ۔ سر شفیع کہتے تھے کہ وہ تیز مزاج آدمی ہیں ،

شاید ایسی سیاسی باتیں کہہ دیں جو مناسب نہ ہوں ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جب ممبر دعوت دینا چاہتے ہیں تو آپ اختلاف نہ کریں ۔ ہم مولوی صاحب کو سمجھا دیں گے کہ وہ ایسی ویسی بات نہ کریں ۔ چنانچہ ان کو سمجھا دیا گیا ۔ دعوت میں کم و بیش ایک سو اصحاب شریک تھے ۔ مولانا تقریر کے لیے اٹھے تو فرمایا : ''صاحبو ! مجھے کہا گیا ہے کہ تیز بات نہ کروں ۔'' یہ کہہ کر بری طرح انگریزوں پر برستے رہے ۔ میں اور ڈاکٹر صاحب بھی پریشان تھے اور سر شفیع بھی ۔ مگر چونکہ وہاں کوئی رپورٹر نہ تھا اس لیے بات باہر نہ نکلی ۔

۱۶ء

نواب ذوالفقار علی خاں صاحب جب پٹیالہ میں تھے تو ہمیں بار بار وہاں بلایا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ میں اور ڈاکٹر صاحب ان سے ملنے کے لیے گئے اور دو تین دن وہاں رہے ۔ دوسری مرتبہ پھر انھوں نے بلایا لیکن اس خیال سے کہ کہیں ہم انکار نہ کردیں ، انھوں نے ایک مقدمے میں ہم دونوں کو وکیل مقرر کرا دیا ۔ ہم وہاں گئے ۔ کھانا ساتھ لے گئے ۔ راج پورہ میں پہنچ کر کھانا کھایا ۔ پٹیالہ پہنچے تو اتفاق سے اس وقت نواب صاحب اور سر جوگندر سنگھ ، مہاراجہ کے پاس کسی ضروری میٹنگ میں مصروف تھے ۔ ان کے آدمی اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے ۔ ہمارے پہنچنے کے بعد وہ بھی آ گئے اور تین دن

تک ہم کو مہمان رکھا - ہم مقدمے میں پیش بھی ہوئے - دونوں کو غالباً دو دو ہزار روپے فیس ملی - وہاں ڈاکٹر صاحب کو پیچش ہو گئی - سول سرجن نے علاج کیا - سر جوگندر سنگھ نے ہمیں پٹیالے کی خوب سیر کرائی -

ہم واپسی پر امرتسر ٹھہرتے ہوئے لاہور پہنچے - پیر تاج الدین (بیرسٹر) اُس زمانے میں بندوبست کے محکمے میں نائب تحصیلدار تھے اور امرتسر میں تعینات تھے - ہم ان سے بھی ملے -

۱۷

ڈاکٹر صاحب جب رات میرے پاس گزارتے تھے تو صبح اٹھ کر نماز پڑھتے اور اس کے بعد بڑی خوش الحانی سے دیر تک قرآن کریم کی تلاوت کرتے - ان کی تلاوت سن کر بڑا لطف آتا تھا اور ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی - پھر چائے پی کر وہ اپنے ہاں چلے جایا کرتے تھے -

میرے ہاں اکثر شام کے وقت محفلِ سرود برپا ہوا کرتی تھی - جب اقبال سے میری ملاقات ہوئی تو ان پر بھی اس مجلس کا حال کھلا - اُدھر میں نے بھی مولوی احمد دین سے ان کی داستان سن لی تھی - دونوں طرف سے کشش تھی اور پہلی ہی صحبت میں ہم سمجھ گئے - جب طبیعت میں موافقت ہو جائے تو دوستوں کی صحبت زیادہ پُر لطف ہو جاتی ہے اور انھیں ایک دوسرے کی رفاقت میں خاص لذت محسوس

ہوتی ہے ۔ چنانچہ اقبال کی شمولیت کے بعد ان صحبتوں کی تعداد اور دلکشی میں ایک گونہ اضافہ ہوگیا ۔

گو اقبال کا کلام اکثر پچھلی شب کے سکون اور تنہائی میں مرتب ہوتا تھا ، مگر ایسی حالت بھی ہوتی تھی کہ ان مجالس میں بھی ان کی طبیعت کبھی کبھی موزوں ہو جاتی تھی اور وہ شعر کہنا شروع کر دیتے تھے ۔ ایسا تو اکثر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب بے فکری کے عالم میں مزے لے لے کر گانا سننے میں مشغول ہوتے اور مغنیہ کوئی نعت چھیڑ دیتی جس کا کوئی شعر ان کے دل پر اثر کر جاتا اور ان پر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی ۔ اس کیفیت کے طاری ہوتے ہی نقشہ بدل جاتا اور ہمیں حقیقی اقبال کی جھلک دکھائی دینے لگتی ، جس کا دماغ حریم ربانی کے جلووں سے مدہوش ، جس کا دل تجلیات خداوندی سے منور ، جس کی نگاہ میں پیغمبرانہ پاکیزگی اور جس کے تخیل میں ملکوتی بلندی ہوتی ۔ یہی وہ مقدس ساعت ہوتی جس میں شاعر مشرق خاک دان عالم سے بلند ہوتا ہوا عرش معلی کی طرف بڑھتا اور جذبات کی تند و تیز موجیں اس کے دل کے مخفی چشمے سے موسیقیت کے ساتھ شعر کی صورت میں اٹھنے لگتیں ۔

بعض اوقات اقبال پر ایک معنی خیز سکوت سا چھا جاتا اور وہ یوں دکھائی دینے لگتے کہ گویا کسی اور ہی دنیا میں چلے گئے ہیں ۔ پھر وہ یک لخت یوں چونک پڑتے گویا نیند سے بیدار ہوتے ہیں ۔ اس حالت کے ظاہر ہوتے ہی ہم سمجھ جاتے کہ ان کے دل پر کوئی

وجدانی کیفیت طاری ہے اور وہ شعر کی فکر میں ہیں ۔ یہ کئی مرتبہ میرے مشاہدے میں آیا کہ جب اقبال کا دل کسی جذبے سے متاثر ہوتا تو وہ گرد و پیش کے حالات سے بالکل بے خبر ہو جاتے ۔

بہرکیف ان نشاط افزا صحبتوں میں اقبال کی ظرافت پرور طبیعت اپنے زوروں پر نظر آتی اور ان کی زبان سے ایسے ایسے لطیف فقرے چست ہوتے اور ایسی دلفریب پھبتیاں نکلتیں کہ سننے والے پھڑک اٹھتے ، مگر ان کے مذاق میں واہیات باتوں اور بیہودہ گفتار کا کوئی دخل نہ ہوتا ۔ جب وہ غزل کی طرف راغب ہوتے تو ان کی مضمون آفرینی ، ان کے استادانہ رنگ اور قادر الکلامی کے ماتحت ایسی دل فریب ہو جاتی کہ اس میں ابتذال نام کو نظر نہ آتا ۔

ڈاکٹر صاحب کو راگ رنگ کا بہت شوق تھا ۔ میرے مکان پر رقص و سرود کی محفلیں اکثر ہوا کرتیں اس لیے وہ ان مجالس میں بڑی رغبت سے شمولیت فرماتے ۔ میں نے دیکھا کہ بعض اوقات رقص و سرود ہی کے دوران میں آپ اپنی کسی نظم کی بنیاد رکھ دیتے ۔ گانا جاری رہتا کہ اقبال کا قلب جذبات سے متاثر ہونے لگتا اور ایک دھیمی آواز میں گنگنانا شروع کر دیتے جس کے ساتھ ساتھ اپنے داہنے زانو کو ہاتھ سے تھپکتے جاتے ۔ اس کیفیت کے آشکار ہوتے ہی اربابِ نشاط کو فی الفور گانے سے روک دیا جاتا اور ہمہ تن گوش ہو کر اقبال کی آواز کی طرف متوجہ ہو جاتے جو آہستہ آہستہ بلند ہوتی جاتی ۔ سازندے جو اقبال کی طبیعت سے واقف

ہو چکے تھے ، نہایت مدھم سُروں میں ایک قسم کی تال سی دیتے تھے جس کے ساتھ وہ اپنی مخصوص لَے میں اپنے اشعار پڑھنا شروع کر دیتے - ان کی آواز سازوں کی ہم آہنگی کی وجہ سے کچھ ایسی دل نواز ہو جاتی کہ ایک سماں بندھ جاتا -

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے

والی نظم کی بنیاد بھی ایک ایسی ہی محفل میں رکھی گئی تھی - ملّی ترانے کا شعر بھی اسی حالت میں موزوں ہوا تھا -

مجھے سر عبدالقادر نے بتایا کہ اقبال ایک ایک وقت میں سو سو شعر کہہ چکے ہیں اور اس کیفیت کے پیشِ نظر مجھ سے سر عبدالقادر نے کئی مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ چونکہ اقبال کے وقت کا اکثر حصہ میرے پاس بسر ہوتا ہے اس لیے میں تمام مواقع پر ان کے اشعار و اذکار کو قلم بند کر لیا کروں تاکہ یہ چیزیں محفوظ ہو جائیں - لیکن مجھے حد درجہ صدمہ ہے کہ میں نے شیخ صاحب کے مشورے پر عمل نہیں کیا ، ورنہ کئی ایسی باتیں قلم بند ہو جاتیں جن سے اقبال کی شخصیت کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی - اقبال کی نگاہ میں اس قدر بصیرت تھی کہ وہ معمولی سے معمولی واقعے سے بھی فلسفے کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال لیا کرتے تھے - مثلاً ایک مرتبہ سر ذوالفقار علی خاں ، سر جوگندر سنگھ اور میں اقبال کے ساتھ نواب صاحب کی موٹر میں شالامار کی طرف سیر کو نکلے - سر جوگندر نے ، از راہِ حیرت کہا کہ نواب صاحب کی موٹر کس قدر خاموش

واقع ہوئی ہے ۔ بظاہر یہ بات کوئی ایسی پتے کی نہ تھی کہ اقبال اس سے یوں متاثر ہو جاتے کہ وہ اس فقرے پر اپنی نظم کی بنیاد رکھ دیتے ، لیکن ''بانگ درا'' میں 'موٹر' کے عنوان سے جو نظم شامل ہے ، اس کا مطالعہ فرمائیے اور اقبال کی فلسفہ طراز طبیعت کا اندازہ لگائیے ۔

۱۸

ایک مرتبہ لاہور میں کوئی کانفرنس تھی ۔ اس کے لیے یو ۔ پی سے نوشاد علی خاں تعلقہ دار کو بلایا گیا تھا ۔ وہ سر شفیع کے ہاں ٹھہرے ۔ ایک دن چائے پیتے وقت انھوں نے کہا کہ سرسیّد نے پنجابیوں کی زندہ دلی کی بہت تعریف فرمائی تھی مگر ہم نے تو یہاں کوئی زندہ دلی نہیں دیکھی ۔ شیخ عبد القادر نے کہا کہ آپ غلط جگہ ٹھہرے ہیں ۔ ہمارے ساتھ ٹھہرتے تو آپ کو زندہ دلی نظر آ جاتی ۔ میں نے عرض کیا کہ کانفرنس سے فارغ ہو جائیں تو ایک رات کھانا میرے ساتھ کھائیں ۔ اس میں دوسرے اصحاب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب بھی شریک تھے ۔ لاہور میں ان دنوں بہارو طوائف کے گانے کی بہت شہرت تھی ۔ ہم نے اس کو بھی بلایا اور خوب نظمیں یاد کرا دیں ۔ نوشاد علی خان نے بہارو کا گانا سنا اور پھر کہا کہ اسے رخصت کر دیں ۔ وہ چلی گئی تو اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ حضرت ! مدّت سے آپ کا کلام آپ

کی زبان سے سننے کی آرزو ہے ، کچھ ارشاد فرمائیے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے کچھ یاد نہیں ۔ ہر شخص نے عرض کی کہ آپ کچھ نہ کچھ ضرور سنائیں ۔ ڈاکٹر صاحب صاف انکار کر گئے ۔ نوشاد علی خان چلے گئے اور دوسرے لوگ بھی رخصت ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ شخص وجاہت کی بنا پر مجھ سے شعر سننا چاہتا تھا ۔ میں وجاہت کی بنا پر کسی کو شعر نہیں سنایا کرتا ۔

عام طور پر شعر سنانے کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب حد درجہ محتاط تھے ۔ انھیں اپنی طبیعت کے سوا کوئی شے اس امر کے لیے مجبور نہ کر سکتی ۔ یہی وجہ ہے کہ دوستوں کے سوا کسی کو نظم نہ سناتے ۔ البتہ حکیم اجمل خاں اور سر ذوالفقار علی خان دو دوست ایسے تھے کہ ان کو یہ رعایت حاصل تھی کہ ان کی فرمائش ڈاکٹر صاحب رد نہ کرتے تھے ۔ مگر وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے اس لیے کبھی بے جا اصرار نہ کرتے ۔ جس صحبت میں سر عبدالقادر یا گرامی مرحوم ہوتے ، اقبال اپنی نظم کے دوران میں لطافتِ سخن اور رفعتِ تخیل کی طرف خاص طور پر توجہ دیا کرتے ۔ گرامی مرحوم کی موجودگی میں اشعار کا خاص لطف آتا کہ وہ دونوں استادانِ فن ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ۔

۱۹

اکثر مجالس میں ڈاکٹر صاحب سے قرآن حکیم کے رموز سننے کا بھی ہمیں موقع ملتا ۔ وہ فقہ میں کسی خاص سکول کے پابند نہ

تھے ۔ مسائلِ شرعی میں وہ بڑی آزاد خیالی کے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے ۔ دورانِ بحث میں کہا کرتے تھے ''فتفکّروا و تدبّروا'' اجتہاد ہر شخص کا فطری حق ہے ۔ جب وہ کسی مذہبی مسئلے پر اظہارِ خیال فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ موضوع زیر بحث پر کوئی کتاب یا رسالہ ان کی نظر سے نہیں بچا ۔ ان کا استدلال ایسا جامع ہوتا کہ مخالف پر ہر طرح کی حجّت پوری ہو جاتی ۔ ان کے انداز بیان میں ایسی قدرت تھی کہ وہ فرسودہ سے فرسودہ مسائل میں کوئی نہ کوئی نیا نکتہ پیدا کرکے دکھا دیتے ۔ مگر اپنی اس عالمانہ شان کے باوجود کبھی تعلّی سے کام نہ لیتے ۔ میں نے کبھی انھیں اپنی وسیع معلومات سے اپنے پاس بیٹھنے والوں پر رعب ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ بحث میں آیاتِ محکمات و متشابہات اور ولادتِ مسیح و ظہورِ مہدی ، جبر و اختیار ، جزا و سزا وغیرہ جیسے متنازعہ مسائل پر میرا ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوتا ۔ وہ ان مسائل کی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت فرماتے کہ اگر میں ان کے آرا و افکار کو ساتھ ساتھ قلمبند کرتا رہتا تو آج مذہبی مسائل پر ایک ضخیم و جامع دفتر تیار ہو جاتا ۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے کئی مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے استدعا کی کہ قرآن حکیم کی تفسیر لکھیں ۔ اور اس میں کلام نہیں کہ اگر وہ تفسیر لکھتے تو یقیناً بہترین ہوتی ۔

ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں علومِ اسلامی کی نشر و اشاعت کا خیال ہمیشہ رہا ۔ وہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر حالات

مساعدت کرتے تو وہ ایک اسلامی دار الاشاعت کی بنیاد ڈالتے
جو اسلامی فلسفہ و تعلیم کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہچانے کی
سعی کرتا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ علوم اسلامی کے متعدد اوراق
ایسے ہیں کہ جن کی اشاعت اس زمانے میں ازبس ضروری ہے۔
وہ ایک ایسی لائبریری کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کرتے
تھے جہاں مذہب کے متعلق تمام ضروری کتابیں مہیا ہوں۔ انھوں
نے کئی مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اگر کہیں سے زمین اور اخراجات
کا انتظام ہو سکتا تو وہ اپنی اس دیرینہ آرزو کو ضرور عملی شکل
دیتے۔ ملاؤں کے طبقے نے اسلامی ترقی کو ہندوستان میں جس قدر
ضعف پہنچایا ہے اس پر ان کا دل ہمیشہ جلتا۔ آخری دنوں میں
انھوں نے اعلیٰ حضرت سرکار بہاول پور کی خدمت میں اس اسکیم کے
بارے میں ایک خط بھی ارسال کیا مگر ان کی بے وقت موت نے اس
کام کو روک دیا۔

۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء - دوسری ملاقات

۱

ڈاکٹر صاحب ولایت سے واپس آنے کے بعد دوسری شادی
کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنی پہلی بیوی سے خوش نہ تھے۔ شیخ گلاب
دین صاحب نے موچی دروازے کے اندر کشمیری خاندان کی ایک
صاحبزادی سے نسبت تجویز کی۔ یہ صاحبزادی وکٹوریہ گرلز سکول

میں پڑھتی تھی ، تعلیم اچھی تھی ۔ نسبت پکی ہوگئی تو اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب آئے ۔ نکاح کے لیے شیخ صاحب ، میں (مرزا جلال الدین) ، میاں شاہنواز بیرسٹر ایٹ لا مرحوم ، مولوی احمد الدین وکیل مرحوم اور شیخ گلاب دین مرحوم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گئے ۔ وہاں کھانا کھایا ۔ سردیوں کا موسم تھا ، رات کا وقت تھا ، میاں شاہنواز نے اپنا اوورکوٹ کھونٹی پر لٹکا دیا تھا ۔ بارہ بجے کے بعد ہم روانہ ہونے لگے تو کوٹ غائب تھا ۔ اس وقت محض نکاح ہوا تھا ، رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی ۔ اس اثنا میں ڈاکٹر صاحب کے پاس چند گم نام خط آنے لگے جن میں منکوحہ خاتون کے خلاف نامناسب شکایتیں تھیں ۔ ڈاکٹر صاحب دُبدھا میں پڑ گئے ۔ عزیز دوستوں نے حالات کی چھان بین شروع کی ۔ ان حالات کی وجہ سے رخصتی کھٹائی میں پڑ گئی اور یہ معاملہ طول پکڑ گیا ۔ انھی دنوں سید بشیر حیدر مرحوم ، جو اس زمانے میں لدھیانے میں ایکسائز انسپکٹر تھے ، ایک رشتے کا پیغام لے کر آئے ۔ یہ رشتہ لدھیانے کے مشہور دولت مند خاندان نولکھا کی طرف سے تھا ۔

۲

اس خاندان کی سرگزشت یہ ہے کہ جالندھر کے ایک صاحب ڈاکٹر سبحان علی نے یو ۔ پی میں بہت دولت کمائی ۔ اتنی دولت کہ ایک موقع پر ان کی جائداد کا حساب لگایا گیا تو نو لاکھ نکلی ۔ اس وجہ سے وہ نولکھے مشہور ہوگئے ۔ انھوں نے لدھیانہ میں شادی

کی تھی ۔ اس شادی سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی ۔ ڈاکٹر سبحان علی کی سالی کا خاوند بھی ڈاکٹر تھا ۔ وہ ساتھ ساتھ کام کرتا رہا ۔ جب فوت ہو گیا تو اس کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی جو ڈاکٹر سبحان علی ہی کے پاس رہے ۔ ان کی سالی کا لڑکا ، جس کا نام غلام محمد تھا ، بڑا ہونے کی وجہ سے انتظامی معاملات کا ذمہ دار بن گیا ۔ سیّد بشیر حیدر شادی کا جو پیغام لائے تھے ، وہ ڈاکٹر سبحان علی کی لڑکی کے متعلق سمجھا گیا ، لیکن دراصل یہ پیغام غلام محمد کی ہمشیرہ (ڈاکٹر سبحان علی کی بیوی کی بھانجی) سے متعلق تھا ۔ جب یہ رشتہ طے ہو گیا تو لاہور سے بارات لدھیانے گئی جس میں ڈاکٹر صاحب کے بھائی شیخ عطا محمد کے علاوہ میں (مرزا صاحب) ، چودھری سر شہاب الدین ، شیخ گلاب دین اور مولوی احمد دین بھی تھے ۔ لدھیانے کے اسٹیشن پر ہمارا استقبال ہوا ۔ سکول کے طالب علموں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی نظمیں سنائیں ۔ ان میں مسلمان بچوں کا قومی ترانہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ۔ ہماری بہت تواضع ہوئی ۔ میزبانوں نے تمام دکانداروں سے کہہ دیا تھا کہ بارات والے بازار سے جو شے خریدیں ، ان سے قیمت نہ لی جائے ، ہر چیز کی قیمت کا بل ہمارے پاس بھیج دیا جائے ۔ نکاح کے بعد ہم تمام باراتی واپس آ گئے ، ڈاکٹر صاحب کو وہیں چھوڑ آئے ۔ نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ ڈاکٹر سبحان علی کی لڑکی نہیں ، بلکہ ان کی بیوی کی بھانجی یعنی ڈاکٹر غلام محمد کی ہمشیرہ ہے ۔

۳

یہ خاتون لاہور میں آ گئیں ۔ ڈاکٹر صاحب کی (گجرات والی) پہلی بیوی بھی تشریف لے آئیں ۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب انارکلی میں رہتے تھے ۔ جس خاتون سے موچی دروازے میں نکاح ہوا تھا ، اس کا معاملہ معلق رہا ۔ وکٹوریہ گرلز سکول کی ہیڈ مسٹریس کا نام مس بوس تھا ۔ وہ میری (مرزا صاحب کی) بیوی سے ملتی رہتی تھیں ۔ میری بیوی نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا تو اس نے اس لڑکی کی بڑی تعریف کی ۔ ڈاکٹر صاحب کے والد نے استخارہ کیا اور کہا کہ لڑکی بالکل پاک دامن ہے ۔ بعد میں ہم نے منشیوں کے ذریعے سے چھان بین کی تو یہ بات کھل گئی کہ خط لکھنے کا ذمہ دار نبی بخش وکیل تھا جو چاہتا تھا کہ لڑکی کی شادی اس کے لڑکے سے ہو ۔ یہ لڑکا ولایت سے بیرسٹری پاس کر کے آ رہا تھا ۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو خود اس لڑکی نے اپنی پاک دامنی کے متعلق ایک خط ڈاکٹر صاحب کو لکھا ، جس میں یہ بھی درج تھا کہ آپ نے بے وجہ میرے خلاف ایک تہمت پر یقین کر لیا ہے ۔ میرا نکاح ہو چکا ہے ، اب میں دوسری شادی نہیں کروں گی ، زندگی اسی حالت میں گزار دوں گی ، قیامت کے دن آپ سے اپنا حق مانگوں گی ۔

۴

ان سب باتوں کے بعد ڈاکٹر صاحب ان بی بی صاحبہ کو لانے

کے لیے تیار ہو گئے ، لیکن انھیں شبہ تھا کہ ارادہ طلاق کا کر چکے تھے ، شاید یہ طلاق وارد نہ ہو چکی ہو۔ مجھے حکیم نورالدین کے پاس قادیان بھیجا کہ مسئلہ پوچھ آؤ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی ۔ شبہہ ہو تو تجدید نکاح کر لو ۔ مولوی محمد حسین گجرات کے رہنے والے ، میرے لڑکوں کو عربی پڑھایا کرتے تھے ۔ میرے دفتر میں انھوں نے اس خاتون سے ڈاکٹر صاحب کا نکاح از سرِنو پڑھایا ۔ میں پہلے سے سیالکوٹ کے لیے ایک کُوپا ریزرو کرا چکا تھا ۔ نکاح کے بعد ڈاکٹر صاحب منکوحہ کو لے کر سیالکوٹ چلے گئے ۔ آٹھ دن کے بعد تار آیا کہ میں آ رہا ہوں ۔ میں اسٹیشن پر لینے کے لیے گیا تو بڑی گرم جوشی سے ملے اور فرمایا :

I am Perfectly satisfied, I am in heaven.

(میں بالکل مطمئن ہوں ، بہشت میں آ گیا ہوں) ۔

۵

جب علامہ کی لدھیانے والی بیگم کا انتقال ہوگیا تو چوتھی شادی کا ارادہ ہوا ۔ میں اور ڈاکٹر صاحب نواب ذوالفقار علی خاں سے ملنے دہلی گئے ۔ ان سے مشورہ کیا کہ ڈاکٹر سبحان علی کی صاحبزادی کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی ، وہاں پیغام دیا جائے ۔ نواب صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم بات کرو ۔ چنانچہ میں اور ڈاکٹر صاحب لدھیانہ میں اترے ۔ میں نے ڈاکٹر غلام محمد سے بات کی تو

اُنھوں نے بات ٹال دی ۔ میں نے وہیں سارا قصہ ختم کر دیا ۔ اس کے بعد کوئی بات نہیں چلی ۔

۶

ایک مرتبہ غلام محمد نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! کوئی کوٹھی خرید لیں ، روپیہ ہم دیں گے ۔ ڈاکٹر صاحب اس شرط پر تیار ہوگئے کہ وہ روپیہ دے دیں اور بالاقساط واپس لے لیں ۔ چنانچہ فیروز پور روڈ پر ، جسے اب کوئینز روڈ کہتے ہیں ، دھنپت رائے کی ایک پرانی کوٹھی کا سودا دس ہزار روپے میں ہوا ۔ پانچ سو روپے بیعانہ طے ہوا ۔ ڈاکٹر صاحب نے لدھیانہ خط لکھا ، غلام محمد روپیہ لے کر آ گیا ۔ اُس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی لدھیانے والی بیگم زندہ تھیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے غلام محمد کے ساتھ بھیجا کہ معاملہ طے کر آؤ ۔ راستے میں غلام محمد نے کہا کہ بیعانے کی رسید میری بہن کے نام لی جائے ۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی ، میں سوچ میں پڑ گیا ۔ مالکِ مکان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے صاحب کے ساتھ سودا کر چکا ہے ۔ واپس جا کر میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ قصہ سنایا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اچھا ہوا سودا نہ ہوا ، نہیں تو میں اپنی بیوی کے مکان میں رہتا ۔"

۷

ڈاکٹر کے ساتھ شادی کے لیے ہر دور میں بے شمار خطوط آتے تھے ۔ ایک واقعہ مجھے معلوم ہے ' کرنال کے ایک مولوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو خطوط لکھے کہ ایک نہایت اچھی پڑھی لکھی خاتون ، مذہب کی پابند ہے اور آپ سے شادی کے لیے تیار ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ خط مجھے دکھائے اور لکھوایا کہ ایسے خط نہ لکھا کرو ۔ مولوی صاحب پھر بھی باز نہ آئے اور لکھتے رہے ۔ ایک مرتبہ لکھا کہ اگر اسے رد کرو، گے تو ظلم کرو گے ۔ اس خاتون کو ایک بار دیکھ تو لو ۔ وہ خاتون اپنے بھائی کے ساتھ میرے مکان پر آئی ۔ میں نے آدمی بھیج کر ڈاکٹر صاحب کو بلایا ۔ نواب ذوالفقار علی خاں بھی بلائے گئے ۔ ہم سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا ۔ پھر ڈاکٹر صاحب اٹھ کر چلے گئے اور نواب صاحب بھی چلے گئے ۔ دوسرے دن اس خاتون کو رخصت کر دیا گیا ۔

۸

ایک ہندو ڈپٹی کمشنر کی لڑکی ڈاکٹر صاحب سے شادی کی بہت خواہش مند تھی ۔ وہ کہا کرتی تھی کہ میں کچھ بتا نہیں سکتی کہ مجھے ہندوؤں سے نفرت کیوں ہے ؟ اتنا کہہ سکتی ہوں کہ ان سے مجھے بو آتی ہے ۔

۹

ڈاکٹر صاحب کے متعلق جتنے قصے مشہور ہیں ، ان کے صحیح یا غلط ہونے کا فی‌الحال سوال نہیں ، لیکن میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ والدۂ جاوید سے شادی کے بعد ، جو ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں ہوئی ، ان کے طور طریقے اور زندگی کا رنگ ڈھنگ بالکل بدل گیا تھا ۔

تیسری ملاقات — ۲۸ نومبر ۱۹۵۲ء

۱

مرزا صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی نظم ''شکوہ'' پڑھی تو اس موقع پر ڈاکٹر صاحب کے والد بھی آئے ہوئے تھے ۔ دونوں نے دوپہر کا کھانا میرے ہاں کھایا ۔ اس سال انجمن کا جلسہ (۱۹۱۱ء) ریواز ہوسٹل کے صحن میں ہوا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے نظم پڑھی تو مجھے خوب یاد ہے کہ ان کے والد زار زار رو رہے تھے ۔

۲

۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے کہ رنجیت سنگھ کی پوتی بمبا دلیپ سنگھ لاہور میں جیل روڈ پر رہائش رکھتی تھی ۔ اسے دو ہزار روپے ماہوار پنشن ملتی تھی ۔ پیر جی اس کا ڈرائیور تمام انتظامات کا کفیل تھا ۔ بمبا نے بعد ازاں ڈاکٹر سدر لینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور سے شادی

کر لی۔ پھر وہ لنڈن چلی گئی اور کوٹھی بیچ دی۔ بمبا دلیپ سنگھ ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی بہت آرزومند تھی۔ ایک دفعہ سر جوگندر سنگھ مجھے اور ڈاکٹر صاحب کو ان کی کوٹھی پر لے گئے۔ کوٹھی میں درختوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا۔ اس میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ بمبا کی فرمائش پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی اردو کی ایک نظم بھی سنائی۔ یہ یاد نہیں کہ کون سی نظم تھی۔ بمبا اردو سمجھ لیتی تھی لیکن شعر نہیں سمجھ سکتی تھی۔ سردار جوگندر سنگھ ترجمہ اور تشریح کر کے سناتے رہے۔

۳

اس ملاقات کا ایک واقعہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ بمبا کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب حقہ پیتے ہیں۔ اس لیے جب دعوت دی تو اپنے ڈرائیور پیر جی سے کہہ دیا کہ اعلٰی درجے کا حقہ بنوا کر لاؤ۔ کوٹھی کے اندر حقہ بھرا گیا اور برامدے کے ایک کونے میں رکھ دیا گیا۔ ہم لوگ پہنچے اور چائے کے لیے بیٹھ گئے تو بمبا نے پیر جی سے پوچھا کہ سب کچھ تیار ہے؟ اس نے کہا کہ سب کچھ تیار ہے۔ خود گئی اور جہاں حقہ رکھا تھا وہاں سے خود اٹھا کر لائی اور ڈاکٹر صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ دیکھیے مرزا صاحب! رنجیت سنگھ کی پوتی نے اپنے ہاتھ سے ہمیں حقہ پلایا ہے۔

۴

ایک اور موقع پر ہمبا کی ایک آسٹرین سہیلی آئی - وہ بھی ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی آرزومند تھی - پھر ہمیں چائے پر بلایا گیا۔ اس موقع پر سر جوگندر سنگھ لاہور میں موجود نہ تھے۔ صرف میں اور ڈاکٹر صاحب گئے اور چائے پی کر باتیں کر کے چلے آئے۔ آتی دفعہ کوئی کلام نہ سنایا کیونکہ کوئی ترجمہ کرنے والا نہ تھا -

۵

ایک دفعہ ہمبا نے شاہدرہ میں چائے کا انتظام کیا - اس کی آسٹرین سہیلی کے علاوہ ایک اور سہیلی بھی تھی۔ ان میں سے ایک نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پھول پیش کیا - دوسری نے ایک خوبصورت بلی پال رکھی تھی جو اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی - ڈاکٹر صاحب کی دو نظمیں "پھول کا تحفہ عطا ہونے پر" اور "... کی گود میں بلی دیکھ کر" انھی دو کے متعلق لکھی گئی ہیں - ہمبا کی دونوں سہیلیوں نے ڈاکٹر صاحب سے بہت سی باتیں پوچھیں ؛ یعنی جرمنی میں آپ نے کیا کیا دیکھا۔ نظم اس موقع پر بھی کوئی نہ سنائی کہ ترجمہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

۶

ہمبا کو انگریزوں کی نسبت یہ وہم تھا کہ وہ مجھے زہر دے دیں گے - بیمار ہوئی تو ڈاکٹر سدر لینڈ نے علاج کیا - پھر میل جول

بڑھا اور شادی ہو گئی ۔ شادی کے لیے گورنر نے لندن سے تار بھیج کر اجازت منگائی ۔ سدرلینڈ بڑا قابل ڈاکٹر تھا ۔ اس نے نواب ذوالفقار علی خاں اور خورشید علی خاں کا بھی علاج کیا تھا ۔

۷

پھر پراونشل مسلم لیگ کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب نواب وقار الملک مرحوم لیگ کے صدر بن گئے تو میاں شاہ دین کو چٹھی لکھی کہ پراونشل لیگ آرگنائز کرو ۔ یہاں جو لیگ بنی اس کے صدر میاں شاہ دین ، سیکرٹری میاں شفیع ، جائنٹ سیکرٹری مولوی محبوب عالم ایڈیٹر ''پیسہ اخبار'' اسسٹنٹ سیکرٹری میں (مرزا جلال الدین) ، فنانشل سیکرٹری آئی ڈاکٹر محمد شریف مقرر ہوئے ۔ میاں فضل حسین اس لیگ کے مخالف تھے ۔ انھوں نے اپنی لیگ الگ بنائی جس میں وہ خود ، عبید اللہ وکیل ، پیر تاج دین بیرسٹر اور میاں حسام الدین بیرسٹر شامل تھے ۔ میاں فضل حسین کے تعلقات سید علی امام ، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی سے بڑے گہرے تھے ۔ کراچی میں جلسہ ہوا تو خیرپور کے وزیر نے مہانداری کے فرائض اپنے ذمے لیے ۔ اس موقع پر ایجوکیشنل کانفرنس بھی ہوئی تھی ۔

۸

میاں فضل حسین اپنے ساتھیوں کو لے کر کیمبرج ہوٹل میں جا

ٹھہرے ۔ انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی
کانفرنس میں تقریر کی ۔ اس تقریر کے جواب میں میاں شاہ دین نے
نہایت زبردست تقریر کی جس پر بار بار تالیاں بجیں ۔ میاں صاحب نے
کہا کہ حکومت کو شکایت ہے کہ قابل مسلمان نہیں ملتے ۔ کیوں
نہیں ملتے ؟ پنجاب میں مسلمان موجود ہیں ۔ دوسرے صوبوں میں
بھی قابل آدمی موجود ہیں ۔ اسی تقریر کا نتیجہ تھا کہ میاں شاہ دین
ہائی کورٹ کے جج بنا دیے گئے ۔

۹

ہماری لیگ کا الحاق مرکزی لیگ سے ہوگیا ۔ ایک مسلم
ایسوسی ایشن بھی بن گئی تھی ، جس کے وائس پریذیڈنٹ نواب
ذوالفقار علی خاں اور اسسٹنٹ سکریٹری سر محمد اقبال تھے ۔ مولوی
ظفر علی خاں ، مولوی انشاءاللہ خاں اور شیخ عبدالعزیز بھی ان میں
شامل تھے ۔

۱۰

اتفاق سے پبلک پراسیکیوٹر کی جگہ خالی ہوئی ۔ ہم لوگ چاہتے
تھے کہ مولوی احمد دین اس خدمت پر مامور ہوں ، اور یہ کہہ بھی
دیا ۔ میاں شفیع اور میاں خاندان کے دوسرے افراد میاں حق نواز
کو کرانا چاہتے تھے ۔ اس پر جھگڑا ہوگیا اور دو فریق بن گئے ۔ پھر
مولوی محبوب عالم ، میاں محمد شریف آئی ڈاکٹر اور فقیر الدین وغیرہ
نے صلح کرائی ۔

۱۱

میاں شاہ دین جج بن گئے اور صدارت کی جگہ خالی ہوئی تو میاں شفیع کی آرزو تھی کہ وہ صدر بن جائیں ۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ وغیرہ نے کوشش کی کہ ڈاکٹر اقبال کو صدر بنایا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے نواب ذوالفقار علی خاں کا نام پیش کردیا ۔ برکت علی محمڈن ہال میں کامیاب جلسہ ہوا ۔ یہ حالت دیکھ کر میاں شفیع کو رنج ہوا اور میاں شاہ دین کے پاس شکایت کی ۔ میاں شاہ دین نے مجھے (یعنی مرزا جلال الدین کو) بلایا اور کہا کہ آپ اور شفیع گہرے دوست ہیں ۔ پھر جھگڑا کیوں ؟ میں نے کہا کہ یہ میاں صاحب کی غلطی ہے ، میں ان کا مخالف نہیں ہوں ، لیکن نواب ذوالفقار علی خاں اور ڈاکٹر اقبال کا بھی دوست ہوں ۔ میاں صاحب بولے کہ میری گاڑی میں بیٹھیے ، ابھی میاں شفیع صاحب کے ہاں چلتے ہیں ۔ راستے میں انھوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ شفیع کمزور ہے ، اسے دوستوں پر بھروسہ نہیں ہے ۔ کوٹھی لے جا کر مجھے گلے ملایا اور پھر کہا کہ ڈاکٹر اقبال کو لے کر میرے پاس آئیے ۔ میں نے کہا کہ ہم نواب ذوالفقار علی خاں کو چھوڑ نہیں سکتے ۔

۱۲۰

میں کراچی گیا ہوا تھا ۔ شادی لال مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ میاں محمد شفیع ، اقبال کو بہت ناپسند کرتا ہے ۔ کہتا ہے کہ وہ

۱۴

چودھری شہاب الدین کے متعلق بہت لطیفے ہوتے تھے ۔ ایک دفعہ چودھری صاحب کی کوٹھی میں افطار پارٹی تھی ۔ چودھری صاحب نے پانی مانگا ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ بھائی ! بالٹی لانا ۔ چودھری صاحب پانی مانگتے ہیں ۔

چودھری صاحب نے جب اپنی کوٹھی بنائی تو مجھے اور ڈاکٹر صاحب کو بلا کر پوچھا کہ اس کا نام کیا رکھا جائے؟ ڈاکٹر صاحب بولے ''اس کے متعلق کاوش کی کیا ضرورت ہے، اس کا نام 'دیو محل' رکھیے ۔''

چودھری صاحب جب بگڑتے تھے تو ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے بھئی تجھے دیکھ کر لطیفوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے ۔ خدا کے لیے مجھے لطیفوں سے نہ روکا کرو ۔''

۱۵

ایک دفعہ میاں شاہ دین نے ایک عظیم الشان پارٹی دی ۔ اس میں دستور کے مطابق انگریزوں کے لیے ایک کوٹھڑی میں شراب کا بھی انتظام کردیا ۔ میاں صاحب پارٹی میں پھر رہے تھے ۔ ہم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ تم لوگوں کے لیے الگ انتظام کر رکھا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب برجستہ بولے ''میاں صاحب ! ہم نے آپ سے دو ہی باتیں سیکھی ہیں : ایک چھپ کر پینا ، دوسرے کسی کو چندہ نہ دینا ۔''

شرابی ہے ، چال چلن بھی اچھا نہیں ۔ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے مستقبل کے لیے بہت بری ہے ۔ ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ ہو جائیں تو بہت اچھا ہے ۔ میں لاہور آیا تو ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا ۔ وہ بولے "مرزا صاحب ! شادی لال اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا ہے ، اس کا اپنا مطلب ہے ۔ ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ اس جھگڑے میں پڑیں ۔ ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکتے ۔"

جب شادی لال کی چیف ججی کا زمانہ آیا تو ڈاکٹر صاحب کو جج بنانے کا سوال اٹھا ۔ شادیؒ لال نے ڈاکٹر صاحب کے متعلق یہ رائے ظاہر کی :

We know him as a poet not as a lawer.

(ہم اقبال کو ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں ، قانون دانہ کی حیثیت سے نہیں) ۔

۱۳

شاہدرہ میں ایک مرتبہ ایک پارٹی ہوئی ۔ بہار کا موسم تھا ۔ ڈاکٹر صاحب اور چودھری شہاب الدین اس میں شامل تھے ۔ چودھری صاحب نے بالکل سفید کپڑے پہن رکھے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں دیکھتے ہی بے تکلف کہا "بھئی دیکھو دیکھو ! کپاہ وچ کٹا وڑ گیا اے" (کپاس میں کٹا گھس گیا ہے) ۔

۱٦

ایک مرتبہ میرے مکان پر دعوت ہوئی ۔ میرے عزیز مرزا اسلم بیگ نے کہا کہ سب مہمان فینسی ڈریس پہن کر آئیں ۔ چنانچہ بعض مہمان مندرجہ ذیل لباس پہن کر آئے :

(۱) چودھری شہاب الدین : گاؤں کے چودھری کے لباس میں ۔

(۲) نواب احمد یار خان دولتانہ : جاٹ کے لباس میں ۔

(۳) میاں ممتاز دولتانہ : چھوٹا تھا ، اسے لڑکی کا لباس پہنا کر لائے ۔

(۴) حکیم احمد شجاع : یہ ریڈ انڈین لیڈر کا لباس پہنے ، مور کے پر لگائے ہوئے تھے ۔

(۵) نواب ذوالفقار علی خان : مالیر کوٹلہ کے رئیس کے لباس میں ۔

(٦) ڈاکٹر صاحب : معمولی لباس پہن کر آئے ۔

اس جلسے میں اوّل درجے کے انعام کے مستحق حکیم احمد شجاع قرار پائے ، اگرچہ انعام کسی کو بھی نہ دیا گیا ۔

۱۷

احمد یار خاں دولتانہ ڈاکٹر صاحب کے بڑے گرویدہ اور معتقد تھے ۔ ان کی شادی میاں غیاث الدین کے والد کے ذریعے سے ہوئی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب اور نواب ذوالفقار علی خاں بھی بارات میں شامل تھے ۔ احمد یار خاں ڈاکٹر صاحب کو وقتاً فوقتاً تحفے بھیجتے رہتے تھے ۔ بعض دفعہ اچھی دودھ دینے والی گائیں اور بھینسیں بھی بھیجتے تھے ۔

۱۸

نواب ذوالفقار علی خاں اور ڈاکٹر اقبال میں تفرقہ پڑنے کا ایک سبب پنجاب کی سیاسی پارٹی بازی تھی ۔ احمد یار خاں نے خود ایک مرتبہ نواب صاحب کو بتایا کہ فیروز خاں نون کو ہدایت ہوئی کہ ڈاکٹر اقبال کو نواب صاحب سے الگ کر دیا جائے ۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب شملے گئے تو فیروز خاں نون کے پاس ٹھہرے ۔ پھر وہاں سے نواب صاحب کو ٹیلیفون کیا کہ میں ملنے کے لیے آ رہا ہوں ۔ نواب صاحب ملے تو پوچھا کہ آپ کب آئے ؟ فرمایا کہ پرسوں ۔ نواب صاحب نے مجھ سے یہ ذکر کیا تو رو پڑے ۔ فرمایا کہ میرا دوست میرا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے کے گھر ٹھہرے ! میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

۱۹

نواب ذوالفقار علی خاں کی وجہ سے سر جوگندر سنگھ ، سردار

امراؤ سنگھ اور سردار دلجیت سنگھ بھی ڈاکٹر صاحب کے بڑے ہی عقیدت مند بن گئے تھے ۔ مہاراجہ کپورتھلہ کو بھی بڑی آرزو تھی کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو لیکن ملاقات نہ ہو سکی ۔ مہاراجہ پٹیالہ بھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے بڑے مشتاق تھے ۔ لاہور آئے تو نواب ذوالفقار علی خاں سے کہہ کر رات کا کھانا ان کے ہاں کھایا اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی ۔

۲۰

کرنال کے نوابوں سجاد علی خاں ، لیاقت علی خاں اور عمردراز علی خاں کے درمیان جائداد کے متعلق جھگڑا شروع ہو چکا تھا ۔ کمشنر کے علم میں یہ بات آئی تو اس نے مقدمہ روک دیا ۔ پھر ذوالفقار علی خاں ، نواب محمد حیات خاں نون اور ایک ہندو ڈپٹی کمشنر کو ثالث مقرر کردیا ۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے وکیل مقرر کیے ۔ عمردراز علی خاں کے قانونی مشیر ڈاکٹر اقبال تھے ۔ سجاد علی خاں نے مجھے مقرر کر لیا ۔ نواب صاحب (ذوالفقار علی خاں) نے کہا کہ بھئی سب اکھٹے چلیں گے ۔ چنانچہ ہم سب مل کر وہاں گئے ۔ وہاں ہمیں اختر لونی[1] ہاؤس میں ٹھہرایا گیا ۔

ہم آپس میں فیصلہ کر چکے تھے کہ پہلے تمام مہمان

۱- General Ochter Lony کے نام پر ۔

سجاد علی خاں کے ہاں ٹھہریں گے ، پھر عمر دراز علی خاں کے ہاں ۔ میرے لیے اور ڈاکٹر صاحب کے لیے الگ الگ کمرے تھے ۔ پنچوں نے اپنے بستر الگ کمروں میں لگائے ۔ بریک فاسٹ کا وقت آیا تو ڈاکٹر صاحب بولے کہ بھئی میز کی ترتیب دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کسی لیڈی کا ہاتھ ہے ۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ واقعی ایک لیڈی نے میز سجایا تھا ۔ اسے لیاقت علی خاں ہاؤس کیپر بنا کر ولایت سے لائے تھے ۔ ہم نے اپنے فریقوں کے کاغذات دیکھے اور بات چیت کے لیے تیار ہوگئے ۔ چنانچہ چھٹے ساتویں دن دونوں فریقوں میں مصالحت ہوگئی ۔ ڈاکٹر صاحب کی روزانہ فیس دو سو روپے تھی اور میری ایک سو پچاس روپے ۔ یہ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے ۔

۲۱

یہ بھی بتا دوں کہ لیاقت علی خاں مرحوم (وزیراعظم پاکستان) جب ولایت سے بیرسٹر بن کر آئے تھے تو نواب سجاد علی خاں ان کا نام پنجاب ہائی کورٹ میں درج کرانا چاہتے تھے ۔ اس موقع پر میرا اور سر شفیع کا سرٹیفیکیٹ بھی پیش ہوا تھا ۔

۲۲

ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو مہاراجہ الور کا پرائیویٹ سیکرٹری بنانے کی پیش کش بھی ہوئی تھی ۔ ایک ہزار روپیہ ماہوار

تنخواہ ٹھہری تھی ۔ نواب ذوالفقار علی خاں نے ایک چٹھی دے دی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب ، منشی طاہر دین اور علی بخش کو لے کر گئے اور دہلی سے آگے ایک بنگلے میں ٹھہرے ۔ ڈاک بنگلے میں جو شخص انچارج تھا ، اسے ڈاکٹر صاحب کا علم ہوا تو بڑی عقیدت سے پیش آیا ۔ پوچھا ''کہاں جا رہے ہیں ؟'' منشی طاہر دین نے بتایا کہ مہاراجہ الور کے پاس پرائیویٹ سکرٹری کے عہدے کے لیے ۔ اس نے ناگفتہ باتیں سنائیں اور کہا کہ یہ ملازمت تو ہرگز نہیں کرنی چاہیے ۔ منشی طاہر دین نے جب سارے حالات ڈاکٹر صاحب کو سنائے تو ڈاکٹر صاحب وہیں سے لوٹ آئے اور چوتھے دن لاہور پہنچ گئے ۔

۲۳

مسلمان تو ڈاکٹر صاحب کے عقیدت مند تھے ہی ، بعض ہندو اور سکھ بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے ۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے اور پنڈت شیو نرائن شمیم تو آپ کے بہت ہی گرویدہ تھے ۔

☆ ☆ ☆

سید محمد علی جعفری

[جعفری صاحب لاہور کے پرانے بزرگوں میں سے تھے -
ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات بہت گہرے
تھے - وہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہ چکے
تھے - ہم نے ان سے نواب پیلس میں ملاقات کی - اب
وہ فوت ہو چکے ہیں] -

۱

ہم نے پوچھا کہ آپ نے پہلے پہل ڈاکٹر صاحب کو کس
زمانے میں دیکھا تھا ؟ کہنے لگے کہ میں ان کو مدت سے جانتا
ہوں لیکن شروع میں روابط کچھ زیادہ گہرے نہ تھے - ڈاکٹر صاحب
لاک ، برکلے، ہیوم ، گوئٹے ، نٹشے اور شوپہار کے مطالعے میں مصروف
رہتے تھے - مشرق فلسفے کی کتابیں بھی مطالعے میں رہتی تھیں -
ہمارے ہاں احیائے ملت کی تحریک کا آغاز ہوا - سرسید اور
ان کے رفقا اس سلسلے میں پیش پیش تھے - ان پر نیچریت کا الزام لگایا
گیا اور ان کو کافر کہا گیا - حالی نے دورِ گذشتہ یاد دلایا ، اکبر

نے نئے چہروں پر نکتہ چینی شروع کی ۔ ڈاکٹر اقبال ان سب سے پیچھے آئے اور قوم کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کی کوشش کی ۔ ہمارے زمانے میں امیروں کے واسطے اعلیٰ کردار ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا ، حالانکہ اصل چیز یہی تھی کہ کردار زیادہ سے زیادہ پاک اور بلند ہو ۔

۲

ولایت جانے سے پہلے ڈاکٹر صاحب کی روش اور تھی ۔ اُس زمانے میں میرا ان سے زیادہ تعلق نہ تھا ۔ ولایت سے واپسی کے بعد روابط بڑھے ۔ وہ انارکلی میں رہتے تھے ۔ میں اسلامیہ کالج کا پرنسپل تھا ۔ طالب علم ان سے ملاقات کے لیے جاتے اور ان سے جو تبادلۂ خیالات ہوتا ، آزادانہ اور بے تکلف ہوتا ۔ میرا خیال تھا کہ طلبہ سے اس قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہیے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہہ بھی دیا ۔

جب وہ انارکلی سے میکلوڈ روڈ پر اُٹھ آئے تو ان کی حالت بدل گئی ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک نئے شخص بن چکے ہیں ۔ اُس زمانے میں ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی ۔ میں بارہا جاتا اور کہتا کہ سیر کیا کرو تاکہ صحت اچھی رہے لیکن وہ ہلنے سے بہت گھبراتے تھے ۔ کبھی میں جاتا تو پکڑ کر ساتھ لے جاتا ۔ حقّہ بہت پیتے تھے اور سارا دن سوچ میں ڈوبے رہتے تھے ۔ میں نے کئی مرتبہ

کہا کہ بھائی ! مجھے ڈر ہے کہ تم بھی کہیں انگریزی زبان کے لیک شاعروں کی طرح افیونی نہ بن جاؤ -

۳

ڈاکٹر صاحب نے جب وہ نظم پڑھی جس کا پہلا مصرع ہے :

کبھی اے حقیقتِ منتظر ! نظر آ لباسِ مجاز میں

تو اس نظم میں ایک شعر کا آخری مصرع یہ تھا :

جو وطن ہے دشمنِ آبرو تو اماں ہے ملکِ حجاز میں

یہاں وطن سے مراد اخبار ''وطن'' ہے جس کے مدیر مولوی انشاءاللہ خاں حجاز ریلوے کے نام پر چندہ جمع کر رہے تھے - اس میں ڈاکٹر صاحب کے خلاف بھی ایک مضمون لکھا گیا تھا - وہ میرے پاس محفوظ ہے -[1]

۴

ڈاکٹر صاحب کو اس امر کی بڑی تلاش تھی کہ اسلامی لٹریچر میں زمان و مکان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے ، اس کی صحیح کیفیت کیا ہے ؟ شیخ عبدالعلی طہرانی ہمارے ہاں رہتے تھے - بڑے فاضل ، بڑے لسّان ، بڑے ذہین اور طبّاع شخص تھے - عقائد میں

۱- ہم نے وہ آرٹیکل دیکھنا چاہا تو جعفری صاحب نے فرمایا کہ میں نے کہیں رکھ دیا ہے اس لیے ''وطن'' کے ۱۹۱۴ع یا ۱۹۱۵ع کے فائل دیکھنے چاہییں -

کچھ کمیونزم اور بابیت کی طرف مائل تھے - میں نے ان سے ڈاکٹر صاحب کو ملا دیا اور بڑی دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی - (ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک خط میں ، جو مہاراجہ سرکشن پرشاد مدارالمہام حیدرآباد دکن کے نام ہے ، علامہ عبدالعلی کی علمیت کی بہت تعریف کی ہے) -

۵

ان ملاقاتوں میں ڈاکٹر صاحب کا اطمینان نہ ہوا تو میں نے مولوی حشمت علی خیراللہ پوری سے ان کی ملاقات کا بندوبست کیا - یہ صاحب پیر جماعت علی شاہ کے خالہ زاد بھائی تھے -

ڈاکٹر محمد طفیل صاحب سول سرجن کے والدِ ماجد بھی بڑے فلسفی تھے - زمان و مکان پر انھوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی -

٦

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اہل بیت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات درکار ہیں - میں نے اس سلسلے میں میر باقر داماد کی کتاب "اُفق المبین" کا حوالہ دیا - ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ انھوں نے (میر باقر داماد نے) اہل بیت کے کردار کو خوب پیش کیا ہے -

۷

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیعوں کا پرنسل لاء اور فقہ زیادہ قرینِ عقل ہے -

۸

جب یہاں خلافت کمیٹی بنی تو ڈاکٹر صاحب کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا ، لیکن کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب اسے چھوڑ گئے - وہ سیاسیات میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے -

۹

ولایت سے جب آئے تو احمدیوں کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے تھے - احمدیہ بلڈنگ میں لیکچر بھی دیتے رہے ، لیکن پھر ان کے خیالات بدل گئے - انجمن حمایت اسلام کے جب صدر منتخب ہوئے تو یہ تحریک چلائی کہ کسی مرزائی کو اس ادارے میں نہ رہنے دیا جائے - مرزا یعقوب بیگ اسی موقع پر نکالے گئے اور یہ صدمہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا - اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب فکر میں اس قدر ڈوبے رہتے تھے کہ ان کے لیے نقل و حرکت کرنا بہت مشکل تھا ؛ چنانچہ وہ کسی ایسے کام میں عملی حصہ نہیں لے سکتے تھے جس میں جسمانی سرگرمی ضروری ہوتی تھی -

۱۰

ہم نے مسلم لیگ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے تعلق کے بارے میں سوال کیا تو جعفری صاحب نے پنجاب مسلم لیگ کی پوری تاریخ بیان کر دی ۔ اس کی کیفیت یہ ہے :

۱۹۰۶ع میں ایک وفد شملہ میں وائسرائے کے سامنے پیش ہوا جس میں نواب صاحب ڈھاکہ (نواب خواجہ سر سلیم اللہ) ، نواب محسن الملک ، نواب فتح علی خان قزلباش ، ڈپٹی برکت علی ، میاں شاہ دین اور میاں شفیع شامل تھے ۔ اس کے بعد لیگ کی بنیاد پڑی اور اس کی شاخیں صوبوں میں پھیلانے کی تجاویز ہوئیں ۔ پنجاب کی تمام اسلامی انجمنوں کے صدر نواب فتح علی خان قزلباش مقرر ہوئے ۔ ۱۹۰۷ع میں کراچی میں ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی اور اس موقع پر یہاں بھی لیگ کی شاخ قائم کرنے کے لیے مختلف حضرات سے تبادلۂ خیالات ہوا ۔ مثلاً میں، چودھری شہاب الدین ، میاں شاہ دین ، میاں شفیع ، مولوی محبوب عالم ، خان بشیر حسین[1] خان اور مولوی فضل الدین وکیل وغیرہ ۔ میاں سر شفیع اور خان بشیر حسین خان کے درمیان سیکریٹری شپ کے متعلق کشمکش تھی ۔ نواب فتح علی خان نے بشیر حسین خان کے حق میں فیصلہ دیا تو اس پر میاں شفیع

۱۔ خان بشیر حسین خان ، ڈپٹی برکت علی کے عزیز تھے ۔ ڈپٹی صاحب کی وفات کے بعد لیڈر شپ چھوڑ کر گھر آ گئے تھے ۔

ناراض ہوگئے ۔ شیخ عبدالعزیز[1] "آبزرور" کے ایڈیٹر تھے ۔ انھوں نے مجھ سے نواب صاحب کے خلاف ایک سخت مضمون لکھوایا لیکن یہ طبع نہ ہوا ۔ اس کے ساتھ ساتھ انجمن ِ حمایت اسلام میں بھی تفرقہ بازی تھی ۔ اس وقت انجمن کے صدر نواب فتح علی خاں تھے ۔ اس پارٹی بازی میں یہ ایک واقعہ قابل ِ ذکر ہے کہ خلیفہ عمادالدین صاحب چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادے خلیفہ شجاع الدین کو انجمن کے خرچ پر ولایت بھیجا جائے ۔ خلیفہ صاحب کالج میں اسسٹنٹ لیکچرار مقرر ہوئے تھے ۔ چھ ماہ کے بعد ان کے کام کے متعلق رپورٹ پیش ہوئی ۔ اس زمانے میں میاں فضل حسین کالج کمیٹی کے سیکرٹری تھے ۔ چونکہ تفرقہ بازی شروع ہو چکی تھی اس لیے خلیفہ شجاع الدین کے متعلق رپورٹ اچھی نہ آئی اور اس کے بعد یہ تجویز داخل ِ دفتر ہوگئی ۔ اس وجہ سے ہماری پارٹی اور میاں فضل حسین کی پارٹی میں کش مکش بڑھ گئی ۔ جب ہم کراچی گئے تو ہم دو پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ ہمارے ہمراہ ایک سو آدمی تھے ۔ میاں فضل حسین کے ساتھ آدمیوں کی تعداد کم تھی ۔ ان میں میاں نظام الدین ، شیخ عمر بخش ، مولوی فضل الدین اور مولوی سراج الدین (والد ِ مولوی ظفر علی خاں) قابل ِ ذکر ہیں ۔ ہمارے ساتھ راجہ غلام حسین بھی تھے جو چکوال کے رہنے والے تھے ۔

۱۔ خان صاحب شیخ عبدالعزیز مرحوم ، جو بعد میں پریس برانچ کے انچارج بن گئے تھے ۔ وہ انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری بھی رہے ۔

اُس زمانے میں وہ اسلامیہ کالج کے طالب علم تھے اور میں پرنسپل تھا ۔ وہ انگریزی بلا کی لکھتے تھے ۔ مولانا محمد علی نے ''کامریڈ'' جاری کیا تو وہ اس میں چلے گئے ۔ ''کامریڈ'' بند ہو گیا تو راجہ صاحب محمود آباد نے لکھنؤ سے ''نیو ایرا'' جاری کیا اور وہ اس کے مدیر مقرر ہوئے ۔ (علامہ اقبال کے کئی مضمون اس میں شائع ہوئے) لیکن تھوڑے دنوں کے بعد وہ ایک حادثے میں زخمی ہو کر فوت ہو گئے ۔ ان کی فقط ایک لڑکی یادگار رہ گئی جو دہلی میں رہتی تھی ۔ کبھی کبھار اس کا خط آ جاتا تھا ، اب معلوم نہیں کہاں ہے ۔

۱۱

ہمارے لیے کراچی میں جماعت خانے[1] میں ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا تھا لیکن میاں صاحب اور ان کے ساتھی وہاں نہ ٹھہرے اور انھوں نے ایک ہوٹل میں اپنا انتظام کر لیا ۔ اس اجلاس میں علی امام نے بڑی زوردار تقریر کی تھی ۔ ہماری پارٹی میں میاں شاہ دین بہت ہی عمدہ بولے ۔ انگریز ایجوکیشنل کمشنر بھی آیا ہوا تھا ۔ اس پر علی امام اور میاں شاہ دین کی تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا ۔

۱- ''جماعت خانے'' سے مراد سر آغا خاں کے پیرووں کا جماعت خانہ ہے جہاں ان کے اجتماع ہوتے ہیں اور وہ مہمان خانے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔

۱۲

ایجوکیشنل کانفرنس کے بعد لیگ کا جلسہ ہوا جس میں ہماری پارٹی جیت گئی اور ہماری بنائی ہوئی لیگ پنجاب کی مسلم لیگ قرار پائی - اس کے صدر نواب فتح علی خاں ہی تھے - یہ سلسلہ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۲ء تک قائم رہا - ہم سب باغبانپورہ کی میاں فیملی کے حامی تھے - میاں شاہ دین جج بن گئے اور میاں محمد شفیع لیگ کے کرتا دھرتا ٹھہرے - ان کا گورنمنٹ سے تعلق تھا - جس طرح چاہتے لیگ کو استعمال کرتے - اس سے ہم لوگوں میں بے اطمینانی پیدا ہونا قدرتی تھا - ملک برکت علی صاحب اور پیر تاج دین صاحب نے مل کر ایک نئی لیگ بنائی جس کا نام 'آزاد لیگ' رکھا گیا - اس کے سیکریٹری پیر تاج دین اور ملک برکت علی اور فنانشل سکریٹری خان غلام رسول خان تھے اور صدر سردار عبدالرحمان مقرر ہوئے - میاں فضل حسین کے ساتھ اس زمانے میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ، مولوی غلام محی الدین قصوری اور سیّد محسن شاہ تھے - ان کی لیگ الگ تھی ، سر شفیع کی لیگ الگ تھی - اس طرح گویا پنجاب میں تین لیگیں بن گئیں -

۱۹۱۵ء میں ہماری لیگ نے شریف حسین[1] کی بغاوت پر ایک

۱- شریف حسین 'ترکوں کی طرف سے مکہ' معظمہ میں مقرر تھا ۱۹۰۸ء - اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی - جرمنی اور آسٹریا ایک

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سخت قرارداد اس کے خلاف منظور کی ۔ سر شفیع نے انگریز افسروں
کے پاس ہماری شکایت پہنچائی جس سے ہم میں خوف پیدا ہوگیا
کہ کہیں ہمارے خلاف کارروائی نہ کی جائے ۔ نتیجتہً سردار عبدالرحمان
صدارت چھوڑ کر الگ ہوگئے تو ہم ملک محمد امین اور مہدی شاہ
وغیرہ کے پاس گئے مگر کوئی بھی ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار
نہ تھا ۔ آخر میاں رحمٰن علی کو صدر اور مجھے (جعفری صاحب کو)
وائس پریزیڈنٹ بنایا گیا ۔

۱۹۱۶ء میں لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا ۔ یہ پہلا موقع
تھا کہ مسٹر جناح لیگ کے اجلاس میں شامل ہوئے ۔ ہم نے راجہ
غلام حسین کی وجہ سے بنگال اور بہار کے ممبروں کو اپنے ساتھ ملا لیا ۔
مسٹر جناح نے لیگ کے اجلاس میں تقریر کے لیے یہ شرط پیش کی
کہ مسز سروجنی نائیڈو اور بپن چندر پال بھی تقریریں کریں ۔
چنانچہ ہم نے لیگ میں ان کی تقریریں پیش کردیں ۔ اس موقع پر
لکھنؤ پیکٹ ہوا ۔ اس کے لیے حکیم اجمل خاں مرحوم ۱۹۰۹ء اور
۱۹۱۰ء سے برابر کوشش کر رہے تھے ۔ اس موقع پر ہماری لیگ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

طرف تھے ۔ انگریز ، فرانسیسی اور روسی دوسری طرف ۔ ترک جرمنی
کے ساتھ مل گئے تھے ۔ غازی انور پاشا اُس وقت وزیر جنگ تھے ۔
انگریزوں نے شریف حسین کو بادشاہ بنا دینے اور عربوں کو آزادی
دلا دینے کا وعدہ کرکے عرب میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی
تھی ۔ ہندوستان کے مسلمان اس اقدام کے خلاف تھے ۔

کا الحاق مرکزی لیگ سے ہوا - میاں شفیع گورنمنٹ آف انڈیا کے ممبر بن گئے - میاں فضل حسین ہماری لیگ میں شامل ہو گئے - کچھ مدت بعد ترکِ موالات کا دور آ گیا - ۱۹۲۳ء تک لیگ رہی -

۱۳

۳۵-۱۹۳۴ء میں ڈاکٹر اقبال پنجاب لیگ کے صدر مقرر ہوئے - ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں مسٹر جناح نے فرمایا کہ اپنے ٹکٹ پر مسلمان امیدوار کھڑے کرو - ہم نے عرض کیا کہ سب سے پہلے شاخیں قائم کرنا چاہیے تاکہ جگہ جگہ ہماری پارٹی کے مراکز قائم ہو جائیں - جناح صاحب نے یہ تجویز قبول نہ کی - ہم نے دس گیارہ امیدوار کھڑے کر دیے - ان میں سے دو کامیاب ہوئے - ایک راجہ غضنفر علی خاں اور دوسرے ملک برکت علی - راجہ صاحب یونینسٹوں میں شامل ہو گئے اور ملک برکت علی اکیلے رہ گئے -

۱۴

اب ہم نے یہ کوشش کی کہ یونینسٹ مسلمانوں اور لیگ میں سمجھوتا ہو جائے - اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۱۹۳۷ء میں لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا تو اس سے پیشتر ہی یہ اشتراک عمل میں آ گیا تھا - چنانچہ سردار سکندر حیات خاں اپنے ساتھیوں سمیت لکھنؤ اجلاس میں شامل ہوئے - مولوی فضل الحق بھی ، جو بنگال میں وزارت قائم کر چکے تھے ، اپنے ساتھیوں کے ساتھ آئے -

وہیں پنجاب کے متعلق سکندر جناح پیکٹ ہوا۔ میں اس سال دہلی چلا گیا کہ مولوی کفایت اللہ اور مولوی احمد سعید سے مل کر جمعیۃ العلماء کو بھی لیگ میں شامل کر لیا جائے۔ میری عدم موجودگی میں مسٹر جناح نے آرگنائزر کمیٹی کی تشکیل کر دی اور سب کو ملا کر نئی لیگ بنائی جس کے آرگنائزر سر سکندر حیات مقرر ہوئے۔

یہاں ڈاکٹر اقبال، ملک برکت علی اور خان غلام رسول خان بیرسٹر میرے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے میل جول پیدا کرکے لیگ کا ستیاناس کر دیا ہے اور اس کی باگ ڈور یونینسٹوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے۔ سکندر حیات خاں بڑے ہوشیار اور دُور اندیش آدمی تھے۔ ان کا اثر صوبے میں بہت زیادہ تھا۔ لیگ کی تنظیم میں قدم قدم پر مشکلیں پیش آتی تھیں، جھگڑے چلتے تھے۔ نواب شاہ نواز آف ممدوٹ لیگ کے صدر بن گئے۔ ان کے انتقال پر پھر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک تجویز یہ تھی کہ سر محمد نواز کو صدر بنایا جائے۔ وہ راضی نہ ہوئے تو جمال خاں لغاری کا نام آیا۔ اس پر بھی اتفاق نہ ہو سکا تو ملک برکت علی نے مولوی ظفر علی خاں کا نام پیش کر دیا۔ پھر غور و فکر کے بعد نواب ذوالفقار علی خاں کو صدر منتخب کر لیا گیا۔

☆ ☆ ☆

نواب زادہ خورشید علی خاں

(فرزندِ نواب سر ذوالفقار علی خاں مرحوم)

[اُنھوں نے بتایا کہ مجھے ۱۹۱۹ع کے بعد کے واقعات
یاد ہیں جو یہ ہیں] :

۱

ڈاکٹر صاحب ہمارے ہاں روز آیا کرتے تھے ۔ ''زرفشاں'' کی گراؤنڈ میں یوکلپٹس کے بہت سے درخت تھے اور ان سے گوند نکلا کرتی تھی ۔ میں ان درختوں سے گوند کھرچ کھرچ کر روزانہ ڈبوں میں بھرا کرتا تھا ۔ میری عمر اس وقت دس سال ہوگی ۔ ڈاکٹر صاحب ہماری موٹر میں تشریف لاتے تھے ۔ جیمل سنگھ ہمارے ڈرائیور کا نام تھا ۔ ڈاکٹر صاحب موٹر سے اترتے ہی پوچھتے کہ چھوٹے میاں[۱] کیا کر رہے ہو ؟ میں جواباً کہتا ''گوند نکال رہا ہوں'' تو

۱۔ نواب زادہ صاحب نے بتایا کہ گھر میں ان کو 'چھوٹے میاں' کہتے ہیں اور والد کے دوست بھی چھوٹے میاں ہی کہتے ہیں ۔

وہ کہتے : ع

چھوٹے میاں نے گوند نکالی درخت سے

تو میں کہتا کہ بس آپ کی شاعری ختم ہوگئی ؟ فرماتے کہ ابھی تو ایک ہی مصرع ہوا ہے ۔ روزانہ یہی کیفیت رہتی ۔ میں کہتا کہ آپ کیسے شاعر ہیں کہ دوسرا مصرع نہیں لگا سکتے ۔ ایک دن تشریف لائے تو کہنے لگے : چھوٹے میاں ! آج ہم نے دوسرا مصرع بھی کہہ لیا ہے ، سنو :

چھوٹے میاں نے گوند نکالی درخت سے
اور ہوگی ان کی شادی کسی نیک بخت سے

۲

میری پیدائش ۲۶ جنوری ۱۹۰۹ع کی ہے ۔ میری سالگرہ ہر سال منائی جاتی تھی ۔ مرزا صاحب اور ڈاکٹر صاحب روز آتے تھے ۔ وہ سالگرہ کی تقریب میں بھی شریک ہوتے تھے ۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب دیر تک بیٹھے رہے ۔ پھر فرمایا ”جیمل سنگھ سے کہو موٹر لائے ۔ اب ہم جاتے ہیں ۔“ میرے والد صاحب (نواب صاحب) نے فرمایا ”ٹھیریے ! جلدی کیا ہے ؟“ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ”اچھا ذرا ٹھہر کر چلے جائیں گے“ اور یہ شعر پڑھا :

غنیمت ہے نوّاب صاحب کی محفل
گھڑی بھر میں اس جا نہ ہم ہیں نہ تم ہو

۳

ایک دفعہ ہمارے ہاں مہتر چترال کی دعوت تھی ۔ بڑے بڑے آدمی مدعو تھے ۔ فرش پر کھانے کا انتظام کیا گیا تھا ۔ نشست کے کمرے میں مہمان تشریف فرما تھے ۔ والد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو مہمانوں کے تعارف کے فرائض سپرد کیے ۔ چودھری شہاب الدین دعوت میں موجود تھے ۔ وہ اُس زمانے میں لاہور میونسپلٹی کے صدر تھے ۔ ڈاکٹر صاحب سے بے تکلفی تھی اور ہمیشہ ان سے لطیفہ بازی رہتی تھی ۔ چودھری صاحب کا تعارف کراتے وقت ڈاکٹر صاحب نے کہا ''یہ ہیں چودھری شہاب الدین مہترِ لاہور'' ۔ ساری محفل کھل کھلا کر ہنس پڑی ۔ چودھریؒ صاحب بہت چیں بہ جبیں ہوئے ۔ جب ڈاکٹر صاحب ان کے قریب بیٹھ گئے تو کہنے لگے ''دیکھو اقبال! تم موقع محل بھی نہیں دیکھتے اور میری بے عزتی کر دیتے ہو ۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا ''بھئی ، اس میں بے عزتی کی کون سی بات ہے ۔ وہ مہترِ چترال ہیں ۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں کے بھنگی ہیں ؟ مہتر تو بہت بڑے آدمی کو کہتے ہیں ۔''

۴

ہمارے والد صاحب کے تعلقات حکیم اجمل خاں مرحوم اور ڈاکٹر انصاری سے بہت گہرے تھے ۔ جب وہ لاہور آتے تو ہمارے ہاں ہی قیام فرماتے ۔ حکیم صاحب ڈاکٹر صاحب کو بہت عزیز

رکھتے تھے - صرف یہی ایک ایسی شخصیت تھی کہ جن کی فرمائشِ شعر کو ڈاکٹر صاحب کبھی نہیں ٹالتے تھے ، حالانکہ وہ بڑے بڑے لوگوں کو قابلِ اعتنا نہ سمجھتے تھے اور ان کی فرمائشوں کو رد کر دیتے تھے -

۵

ایک مرتبہ والد صاحب بہت بیمار ہو گئے - ڈاکٹر صاحب اور مرزا صاحب روزانہ عیادت کو آتے تھے - والد صاحب کرنل ڈیوڈسن (Davidson) ، ہارپر نیلسن (Harper Nelson) اور ڈاکٹر بال کشن کے زیرِ علاج تھے - پیر محمد حسین شاہ کو بلایا ، دو سو روزانہ پر مقرر کر دیا اور اکت پوری جانے کی تجویز کی - جب والد صاحب کی طبیعت رو بہ صحت ہو گئی تو پھر ڈیرہ دون چلے گئے - ڈاکٹر صاحب اور مرزا صاحب ان کو دیکھنے کے لیے ڈیرہ دون گئے - ہماری کوٹھی چھوٹی تھی - میرے ساتھ کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب ٹھہرے ہوئے تھے - میں نے کمرے میں بیٹھے بیٹھے غالب کی یہ غزل گانا شروع کر دی: ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ ''جو کچھ گاتے ہو ، یہاں میرے پاس بیٹھ کر سناؤ -'' میں سناتا رہا اور وہ

دیر تک روتے رہے ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب تک ظہور ہ گایا کرتا تھا تو ڈاکٹر صاحب اکثر روتے رہتے تھے ۔

۶

ڈاکٹر صاحب نے جب پہلی مرتبہ 'بانگِ درا' کا مطبوعہ نسخہ میرے والد صاحب کو دیا تو اس پر اپنے قلم سے یہ شعر لکھا :

ندیمِ خویش می سازی مرا ، لیکن ازاں ترسم
نہ داری تابِ آں آشوب و غوغائے کہ من دارم

۷

پنجاب کے گورنر میکلگن صاحب سے والد کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ رابندر ناتھ ٹیگور کو ''سر'' کا خطاب مل چکا تھا ۔ والد نے میکلگن صاحب سے کہا کہ اقبال اس زمانے کا بہت بڑا شاعر اور مسلمانوں کا ہردلعزیز لیڈر ہے ، اسے بھی خطاب دیا جائے ۔ اس نے 'خان بہادر' کا خطاب تجویز کیا مگر والد نے کہا کہ یہ اقبال کی توہین ہے ۔ پھر اس نے کہا کہ ہم 'شمس العلما' کا خطاب دیتے ہیں ۔ والد نے کہا کہ یہ بھی مناسب نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو کہا کہ یہ خطاب میرے اُستاد کو ملنا چاہیے ۔ آخر والد کے اصرار پر ان کے لیے 'نائٹ ہڈ' تجویز ہوئی ۔

۸

میرے والد اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے درمیان جو گہرے مراسم تھے وہ آپ کو خواجہ دل محمد کے اس مصرع سے معلوم ہو سکیں گے جو اُنھوں نے انجمنِ حمایتِ اسلام کے اجلاس میں سنایا تھا ، یعنی :

آتا ہے 'ذوالفقار' سے 'اقبال' ہاتھ میں

☆ ☆ ☆

خان احمد حسین خاں

[خان احمد حسین خاں مدیر 'شباب اُردو' شاعر بھی تھے اور ناول نویس بھی ۔ آپ نے بے شمار کتابیں لکھیں ۔ سب جج بھی رہے اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ادبی مشیر بھی ۔ انھوں نے خاصی عمر پائی ۔ اقبال کے ساتھیوں میں تھے] ۔

۱

آپ نے فرمایا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو پہلے پہل آس مشاعرے میں دیکھا تھا جو حکیم امین الدین بیرسٹر کے مکان واقع بازار حکیماں میں ہوتا تھا ۔ میں بی ۔ اے کا امتحان دے چکا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب سیالکوٹ سے ایف ۔ اے پاس کرنے کے بعد بی ۔ اے کی کلاس میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے تھے ۔ یہ غالباً ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۷ء کی بات ہے ۔

۲

ان مشاعروں کے لیے طرح دی جاتی تھی۔ اور اسی طرح ہر شعرا

غزلیں کہہ کر لایا کرتے تھے ۔ مشاعرے میں کم و بیش ایک سو سامعین جمع ہو جاتے تھے ۔ یہ سب تعلیم یافتہ اور اہلِ ذوق حضرات ہوتے تھے ۔ شہزادہ مرزا ارشد گورگانی ان مشاعروں میں شرکت کے لیے فیروز پور سے آیا کرتے تھے ۔

۳

انھی مشاعروں میں ڈاکٹر صاحب نے وہ غزل پڑھی تھی جس کے ایک شعر پر انھیں بہت داد ملی تھی اور وہ شعر زبانِ زدِ خاص و عام ہوگیا تھا :

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اسی طرح میرا بھی ایک شعر عام طور پر مشہور ہوگیا تھا :

خواب و خیال ہوگئیں ساری حکایتیں
احمد حسین خان ! زمانہ بدل گیا

۴

ایک دفعہ 'پر ہی سہی' 'در ہی سہی' زمین تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے جو غزل پڑھی تھی اس کا مقطع یہ تھا :

شعر کہنا نہیں اقبال کو آتا لیکن
آپ کہتے ہیں سخنور تو سخنور ہی سہی

۵

ہم نے پوچھا کہ خان صاحب! اُس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے اشعار میں کوئی خاص ندرت، کشش یا خصوصیت معلوم ہوتی تھی؟ خان صاحب نے کہا ”یہ تو میں کہہ نہیں سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب جو کچھ بھی پڑھتے تھے، اس میں غیر معمولی دلچسپی پیدا کر دیتے تھے۔

۶

ڈاکٹر صاحب کے شعر بھی اچھے ہوتے تھے۔ ترقی پسندی کے جوہر تو ان میں تھے ہی، پھر وہ لے میں پڑھا کرتے تھے اور آواز میں خاص سوز تھا۔ اس وجہ سے ان کا کلام بہت پُراثر بن جاتا تھا۔

۷

ہم نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب سے پہلے بھی نظمیں گا کر پڑھنے کا دستور تھا؟ خان صاحب نے کہا ”بالکل نہیں۔ پہلے پہل ڈاکٹر صاحب نے ہی گا کر غزلیں پڑھیں۔ پھر اکثر شاعر ان کی پیروی میں گا کر غزلیں سنانے لگے۔ مثلاً لاہور کے وکیل عبدالمجید صاحب اور خواجہ دل محمد صاحب۔ چودھری خوشی محمد ناظرؔ کی آواز واجبی سی تھی لیکن وہ بھی گا کر پڑھتے تھے (ایک شاعر نے تو کہہ بھی دیا تھا کہ: ”نظمِ اقبالی نے ہر اک کو گویّا کر دیا“)۔

۸

میں بی ۔ اے کا امتحان دے چکا تھا ۔ جب نتیجہ نکلا تو میں پاس ہو گیا ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرحی غزل میں ایک شعر کا اضافہ کر دیا جس میں مجھے پاس ہونے پر مبارک باد دی ۔ لیکن وہ شعر اب یاد نہیں رہا ۔

۹

میں نے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں ڈاکٹر صاحب کی نظمیں نالۂ یتیم اور تصویرِ درد بھی سنی ہیں ۔ اُس زمانے میں انجمن کے جلسوں میں جو نظمیں پڑھی جاتی تھیں ، وہ چھاپ بھی دی جاتی تھیں ۔ ڈاکٹر صاحب کی نظمیں بھی چھپ جاتی تھیں ۔ شاعر جب اپنا کلام شروع کرتا تو یہ نظمیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتیں ۔ بعض بعض کاپیاں آٹھ آٹھ آنے بلکہ اس سے بھی زیادہ میں فروخت ہوتی تھیں حالانکہ ان کی قیمت صرف دو آنے ہوتی تھی ۔

۱۰

حکیم امین الدین اور حکیم شہباز الدین کے بعد یہ مشاعرے نواب غلام محبوب سبحانی کی صدارت میں اُس جگہ ہوتے رہے جہاں انارکلی کے آغاز میں ہوٹل ہے ۔ بعد میں ان مشاعروں نے لٹریری سوسائٹی کی صورت اختیار کر لی اور غزلوں کی بجائے نظمیں پڑھی جانے لگیں ۔ مدن گوپال بیرسٹر ایٹ لاء اس سوسائٹی کے چیئرمین تھے

ور میں (خان احمد حسین خان) سکریٹری ۔ لالہ ہرکشن لال بھی
اس کے ممبر رہے ۔ میاں شاہ دین کی تحریک پر فیصلہ ہوا کہ مناظرِ
قدرت پر نظمیں لکھی جایا کریں ۔

۱۱

نظموں کے عنوان میں پہلا عنوان 'ہمالہ' تجویز ہوا ۔ میں نے اور
ڈاکٹر صاحب نے اس مجلس میں 'ہمالہ' پر نظمیں پڑھیں ۔ ڈاکٹر صاحب
کی نظم 'مخزن' میں چھپ گئی تھی ۔ پھر ''بانگِ درا'' میں بھی شامل
ہو گئی ۔ میری نظم میرے مجموعۂ منظومات ''آبِ بقا'' میں شامل ہے ۔

۱۲

خان صاحب نے فرمایا کہ میری پیدائش ۱۸٦۷ع کی ہے اور
اس وقت میری عمر ۸۵ سال ہے ۔

۱۳

ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میرے تعلقات بڑے گہرے تھے ۔
۱۹۰۵ع میں وہ ولایت چلے گئے ۔ میں سب جج بن کر جہلم میں
مامور ہو گیا ۔ پھر کبھی کبھار انجمن کے جلسوں میں ملاقات ہو
جاتی تھی ۔

۱۴

ہم نے پوچھا کہ بھاٹی دروازے کے مشاعروں کی غزلیں کہیں

محفوظ ہیں ؟ فرمایا ''ہاں وہ ساری غزلیں ایک رسالے میں ، جس کا نام
''شور محشر'' تھا ، چھپ جاتی تھیں ۔ میں اس کا ایڈیٹر تھا ۔ میرے
پاس وہ مجموعہ موجود تھا ۔ افسوس کہ میری غیر حاضری میں میری
پانچ ہزار کتابیں چوری ہوگئیں ۔ ان میں ''شور محشر'' کا مجموعہ بھی
جاتا رہا ۔ ''پیسہ اخبار'' کے چھاپہ خانے میں یہ رسالہ چھپتا تھا ۔
ان سے دریافت کر لیں ، شاید کوئی نسخہ مل جائے ۔''

١٥

ہم نے پوچھا کہ خان صاحب! کیا ڈاکٹر صاحب بھاٹی دروازے
کے اندر ایک ہی مکان میں رہے یا انھوں نے کوئی مکان بدلا ؟ فرمایا
کہ وہ ایک ہی مکان میں رہے جو چھوٹا سا بالاخانہ تھا ۔

☆ ☆ ☆

خان بشیر حسین خاں

ہم خان بشیر حسین خان صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ۔ آپ ڈاکٹر صاحب کے بڑے رفیق رہے ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ میں ڈاکٹر صاحب کو اس زمانے سے جانتا ہوں جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے ۔ میں فرسٹ ایر میں داخل ہوا تھا اور وہ تھرڈ ایر میں ۔ ان مشاعروں میں بھی شریک ہوتا تھا جن میں ڈاکٹر صاحب اپنا کلام سناتے تھے ۔ لیکن اب ان میں سے کوئی چیز بخوبی یاد نہیں ۔ اتنا جانتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب مچھلی کے کباب بہت پسند کرتے تھے ۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کے پاس ہر قسم کی کتابیں اور رسالے موجود ہیں ۔ کیا آپ کے کتب خانے میں ''شور محشر'' کی بھی کوئی جلد ہے ؟ فرمایا کہ میں نے کچھ کتابیں نکال دیں ۔ صرف ضرورت کی کچھ چیزیں رہ گئی ہیں ۔ ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ کے پاس انجمن کی رپورٹیں بھی ہیں ؟ فرمایا ''اب کوئی نہیں ۔ میں نے انجمن میں ایک مرتبہ تحریک کی تھی کہ

پرانی رپورٹوں میں سے منتخب نظمیں اور تحریریں کتابی شکل میں چھپوالی جائیں ۔ یہ تحریک منظور ہو گئی تھی لیکن اس پر اب تک عمل نہ ہو سکا ۔“

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر محمد دین

(مالک شفاخانہ طاہری)

۱

ڈاکٹر صاحب کی عمر اس وقت اسّی (۸۰) برس سے اوپر ہے۔
ہم نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ پہلے پہل کس زمانے میں ڈاکٹر اقبال
سے ملے تھے؟ بتایا کہ سیالکوٹ میں چونکہ میری عزیز داری تھی
لہٰذا میں وہاں اکثر جایا کرتا تھا۔ اُس وقت سے ڈاکٹر صاحب کو
جانتا ہوں ۔ وہ اس زمانے میں سکول میں پڑھتے تھے ۔ اُن دنوں کی
صرف ایک بات مجھے یاد ہے؛ وہ یہ کہ جو کوئی ڈاکٹر صاحب
سے ملتا تھا ، وہ غیر معمولی طور پر ان کی طرف کھنچ جاتا تھا ۔

۲

پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کو اُس وقت دیکھا جب وہ کالج
کی تعلیم سے فارغ ہو کر بھاٹی دروازے کے اندر رہنے لگے تھے ۔
اُس زمانے میں سر عبدالقادر مرحوم اور مولوی انشاء اللہ مرحوم کے
ان کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے ۔ مولوی انشاء اللہ میرے

رشتہ دار تھے ۔ اس طرح میں سر عبدالقادر کی معیت میں ڈاکٹر صاحب کے پاس جانے لگا ۔ میاں اقبال حسین میرے برادرِ نسبتی ہیں ۔ ان کی بہن میری بیوی ہے ۔ وہ بھی سر عبدالقادر کے دوستوں میں سے تھے ۔

۳

شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی مرحوم بھی میرے بہت عزیز دوست تھے ۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کے خاص احباب میں شامل ہو گئے ۔ ہم اکثر اکٹھے بیٹھتے اور گھنٹوں صحبت رہتی ۔ اب ان پُر لطف صحبتوں کی کوئی چیز تازہ نہیں ۔

۴

ڈاکٹر صاحب ''یا حیّ یاقیوم'' کا ورد کیا کرتے تھے ۔ جب کسی بیمار پر دم کرنا ہوتا تو ''یا حیّ یا قیوم'' پڑھتے ۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد علی قصوری ایم۔اے (کینٹب)

۱

میں نے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک گورنمنٹ کالج لاہور میں ڈاکٹر صاحب سے تعلیم پائی ۔ وہ فلسفے کے پروفیسر تھے ۔ انگریزی نظمیں بھی پڑھایا کرتے تھے ۔ Halis Longer English Poems نام کی کتاب ہمارے کورس میں شامل تھی ۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب مختلف نظموں کی شرح اس طرح کرتے تھے کہ انگریز شاعر ہمارے مشرقی شاعروں سے بہت قریب معلوم ہوتے تھے ۔ انگریزی نظمیں پڑھاتے پڑھاتے ڈاکٹر صاحب فارسی اور اردو کے ہم معنی اشعار کثرت سے سنایا کرتے تھے جن سے انگریزی نظموں کے مطالب خوب ہمارے ذہن نشین ہو جاتے تھے ۔ ملٹن کی Paradise Lost پڑھاتے تھے ۔ ورڈزورتھ کی مشہور نظم Ode to Immortality کی جیسی شرح ڈاکٹر صاحب نے کی تھی اس کا خوشگوار نقش اب تک میرے ذہن پر مرتسم ہے ۔ افسوس کہ مجھے ہم معنی فارسی اور اردو اشعار بالکل یاد نہیں رہے ۔ انگریز شاعروں میں سے ڈاکٹر

صاحب ورڈز ورتھ ، شیلے اور کیٹس کو بہت پسند کرتے تھے -

۲

جب میں نے بمبئی میں کاروبار شروع کیا تو افغانستان کی طرف سے علامہ صلاح الدین سلجوقی بمبئی میں کونسل افغانستان مقرر ہوئے - علامہ موصوف بعد میں کونسل جنرل ہو گئے تھے - پاکستان بن جانے کے بعد سفیر مختار افغانستان کے مشیرِ خصوصی بن کر آئے تھے - آج کل کابل میں ہیں اور افغانی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں - انھیں ڈاکٹر اقبال سے بڑی محبت تھی - ڈاکٹر صاحب ولایت جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے انھی کے پاس ٹھہرا کرتے تھے - میرے بھی علامہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے - ڈاکٹر صاحب ان کے پاس ٹھہرتے تو مجھے ضرور بلایا جاتا - میں نے بھی ان کے اعزاز میں ایک پارٹی دی تھی -

۳

میں ایک خصوصیت بیان کر دوں کہ ڈاکٹر صاحب اگرچہ متعدد فارسی نظم کی کتابوں کے مصنف تھے اور ان نظموں کی وجہ سے ان کے کلام کو تمام اسلامی ممالک میں ہمہ گیر شہرت حاصل ہو گئی تھی ، لیکن وہ فارسی میں گفتگو نہیں کرتے تھے - انگریزی بولتے تھے یا اردو - علامہ صلاح الدین اس زمانے میں انگریزی سمجھ لیتے تھے لیکن بولتے نہیں تھے - اس وجہ سے ان کی بات چیت میں مترجم کی خدمات مجھے سرانجام دینا پڑتی تھیں -

۴

میں نے ایک بار پرانی نیاز مندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ آپ کہتے کچھ اَور ہیں اور کرتے کچھ اَور ہیں۔ حضرت نے بے تکلف فرمایا کہ اگر میں اپنے کہنے پر عمل کرتا تو شاعر نہ ہوتا، مہدی ہوتا۔

۵

مجھے خوب یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی مشہور نظم ''تصویرِ درد'' اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ میں پڑھی تھی۔ اس لیے کہ انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے پہلے وہیں ہوتے تھے۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی تھی، لیکن ڈاکٹر صاحب سے سنتے سنتے پوری نظم یاد ہوگئی۔ جب میں کالج میں تھا تو روزانہ وظیفہ کے طور پر اس کا ورد کرتا تھا۔

٦

انجمن کے اسی جلسے میں جس میں ڈاکٹر صاحب نے ''تصویرِ درد'' پڑھی تھی یا اس کے کسی پیشتر کے جلسے میں ڈاکٹر صاحب کی نظم سے پہلے مولوی الف دین کی تقریر کا وقت تھا۔ ان کی تقریر لمبی ہوگئی جبکہ لوگ ڈاکٹر صاحب کے سننے کے مشتاق تھے۔ چنانچہ جلسے میں کھسر پھسر ہونے لگی اور بعض لوگوں نے مقرر کے نام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ الف دین بے دین ہو

گئے ۔ ڈاکٹر صاحب یہ حالت دیکھ کر اُٹھے ۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر خفگی کے لہجے میں فرمایا کہ آپ مولوی صاحب کی تقریر سنیں ۔ اگر میری نظم سننے کا شوق ہے تو چپ بیٹھیں ، شور مچائیں گے تو میں نظم نہیں پڑھوں گا ۔

۷

میں نے مولانا ابوالکلام آزاد ، خواجہ الطاف حسین حالی اور نواب محسن الملک کو انجمن کے جلسوں میں دیکھا تھا ۔ مولانا آزاد نے پہلے پہل 'اعجازِ قرآن' کے موضوع پر تقریر کی تھی ۔

۸

ہم نے سوال کیا کہ آپ کے اور آپ کے والدِ ماجد (مولانا عبدالقادر قصوری) کے خاص تعلقات ڈاکٹر صاحب سے کب شروع ہوئے؟ مولوی محمد علی نے فرمایا کہ میرے تعلقات اس وقت سے شروع ہوئے جب میں نے کالج میں ڈاکٹر صاحب سے پڑھنا شروع کیا ۔ دوسرے تیسرے دن ان کی خدمت میں بے تکلف حاضر ہو جاتا اور ان سے علمی باتیں دریافت کرتا رہتا ۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب انارکلی میں رہائش پذیر تھے ۔ میرے والد صاحب کے تعلقات ڈاکٹر صاحب سے بعد میں شروع ہوئے ۔ میرے والد مولانا عبدالقادر اور پیر جماعت علی شاہ اورینٹل کالج کی عربی کلاس میں ہم سبق تھے ۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری ، جو ہمارے ملک میں عربی ادب

کے آخری بڑے ماہر تھے ، اوریئنٹل کالج میں پروفیسر تھے - انھوں نے پیر جماعت علی شاہ کے متعلق ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "بھئی ! تمھیں عربی نہیں آنے کی - سیّد ہو ، پیر بن جاؤ - خوب اطمینان سے دن گزریں گے" - والد صاحب نے وکالت پاس کرنے کے بعد اپنے ہم جماعت سیّد محمد شاہ کے کہنے پر قصور میں وکالت شروع کی - پہلا مقدمہ خان بہادر برکت علی خاں ایس - ڈی - او کے سامنے پیش ہوا - مقدمے کے بعد اس نے والد سے کہا کہ دل جمعی سے وکالت کا کام کرتے رہو - مجھے اُمید ہے کہ تم پنجاب کے ریٹی گن بن جاؤ گے - اُس وقت سے قصور ہمارا وطن بن گیا - وکالت میں والد صاحب بہت مشہور ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے - پھر 'نان کوآپریشن' تحریک میں وکالت چھوڑ دی اور قومی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا تو اکثر سیاسی گفتگو کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے ملتے رہتے تھے - مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی ان کی رائے کو وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے -

✡ ✡ ✡

شمس الدین
(گرنڈلے بینک)

[شمس الدین صاحب ، جن کی روایات ذیل میں درج کی جا رہی ہیں ، کشمیری ہیں - دو تین پشتوں سے ان کا خاندان لاہور میں موجود ہے - خود شمس الدین صاحب گرنڈلے بینک میں ملازم تھے - یہ ڈاکٹر صاحب کے نسبتی بھائی خواجہ عبدالغنی مرحوم کے گہرے دوست تھے - اس لیے خواجہ عبدالغنی اور اُن کی ہمشیرہ (یعنی والدۂ جاوید) کے حالات سے پوری طرح واقف ہیں] -

۱

انھوں نے بیان کیا کہ خواجہ عبدالغنی اور ان کی ہمشیرہ شادی سے دس بارہ سال پیشتر لاہور آئے تھے ، کیونکہ ان کے والدین پہلے ہی فوت ہو چکے تھے - ان کی پھوپھی صاحبہ کی پہلی شادی ڈاکٹر صاحب کے سیالکوٹ کے مریدوں میں کسی کے ساتھ ہوئی تھی - پہلے شوہر کی وفات کے بعد منشی گلاب دین نقشہ نویس سے شادی ہو گئی تھی جو موچی دروازے کے اندر رہتے تھے - خواجہ

عبدالغنی اور ان کی ہمشیرہ اپنی پھوپھی کے پاس رہتے تھے - خواجہ صاحب بڑے تھے اور ہمشیرہ عمر میں چھوٹی تھیں -

۲

منشی گلاب دین کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی تھی جس کی شادی چودھری نبی بخش وکیل سے ہوئی تھی - وہ ذرا رنگین طبیعت کا آدمی تھا - وہ خواجہ عبدالغنی کی ہمشیرہ کا خواہاں تھا لیکن اس رشتے کو پھوپھی نے پسند نہ کیا اور صاف انکار کر دیا -

۳

اس اثنا میں خواجہ عبدالغنی کی ہمشیرہ کا نکاح ڈاکٹر صاحب سے ہو گیا - رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ چودھری نبی بخش نے ڈاکٹر صاحب کو بے سروپا خط لکھنے شروع کر دیے - ان خطوں کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب شش و پنج میں پڑ گئے اور رخصتی کا معاملہ تعویق میں پڑ گیا -

۴

جب چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ساری خط و کتابت چودھری نبی بخش نے کی تھی تو ڈاکٹر صاحب راضی ہو گئے - خواجہ عبدالغنی کی پھوپھی نے ان کو اپنے گھر بلا کر اچھی طرح سے سمجھایا کہ آپ خواہ مخواہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں -

یہ پاک چیز ہے جو میں نے آپ کو دی ہے ۔ اس سے زیادہ بہتر چیز آپ کو نہیں مل سکتی ۔

۵

پھوپھی نے کندی گراں کی گلی میں حکیم مفتی سلیم اللہ کے مکان کے سامنے ایک ہزار روپے میں ایک مکان گروی لے کر خواجہ عبدالغنی کو دلایا تھا ۔ خواجہ عبدالغنی اسی مکان میں رہتے تھے اور وہ قالینوں کی تجارت کرتے تھے ۔ جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا ۔

☆ ☆ ☆

پروفیسر منظور احمد ایم ۔ اے

(ہمشیرہ زادۂ علامہ مرحوم)

[حضرتِ علامہ اقبال مرحوم کا ایک بھائی اور چار بہنیں تھیں (۱) والدۂ منظور احمد (۲) مسمات جیوان (۳) مسمات زینب (۴) کریم بی بی ۔ منظور صاحب کے تین بھائی ہیں ۔ نور احمد ، بشیر احمد ، ظہور احمد ۔ والدۂ منظور احمد وفات پا چکی ہیں ، بھائی اور دو بہنوں کی شادیاں سیالکوٹ میں ہوئیں ۔ مسمات زینب بی بی کی شادی وزیر آباد میں بابو غلام رسول سے ہوئی ، یہ زندہ ہیں ۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ مسمات کریم بی بی بھی بہ قید حیات ہیں ، ان کے دو بچے ہیں ۔ صرف ایک کا نام معلوم ہوسکا یعنی ظفر صاحب جو مکینیکل انجینئر ہیں ۔ یہ بہن آج کل لاہور میں مقیم ہے] ۔

۱

حضرت علامہ کے والد ٹوپیاں بناتے تھے ۔ وہ بوڑھے ہوگئے

۱۔ بقول خالد نظیر صوفی صاحب ، حضرتِ علامہ کی چار بہنوں میں سے فاطمہ بی بی اور طالع بی بی ان سے بڑی تھیں ، کریم بی بی اور زینب بی بی ان سے چھوٹی تھیں ۔ (اقبال درونِ خانہ)

تو ان کی دوکان ان کے داماد (منظور احمد کے والد) نے سنبھال لی ۔ پھر وہ بھی الگ ہو گئے تو دوکان بند کر دی گئی ۔ (منظور احمد کے والد کا نام شیخ غلام محمد تھا) ۔

۲

حضرت علامہ مرحوم اور ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طبیعتوں میں بُعد المشرقین تھا ۔ علامہ مرحوم بے حد علم دوست تھے جب کہ شیخ عطا محمد کو علم سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ معمولی تعلیم حاصل کر کے رسالے میں سپاہی بھرتی ہو گئے ، پھر انجینئری کا کام سیکھ لیا اور محکمۂ فوج میں اوورسیئر (Oveseer) ہو گئے ۔ اگرچہ تعلیم زیادہ نہ تھی لیکن اوورسیئری کے کام میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے جس سے بہت روپیہ کمایا ۔ ان کی تعمیر کردہ دو تین عمارتیں فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہیں ۔ حضرت علامہ کی کوٹھی بھی انھوں نے اپنی نگرانی میں بنوائی تھی ۔ چونکہ انھیں علم سے کوئی مس نہ تھا اس لیے وہ حضرتِ علامہ کو ولایت بھیجنے کے حق میں نہ تھے ۔ مولوی میر حسن کے اصرار نے راضی کیا ۔ وہ بار بار کہتے کہ 'تو نہیں جانتا ، اقبال کیا ہے ؟ میں جانتا ہوں ۔ بس اس وقت سے تعلیم کی ذمہ داری اٹھائی اور پورا خرچ دیا ۔

۳

شیخ عطا محمد بڑے جابر آدمی تھے ۔ ایک دفعہ بازی بدکر

تاش کھیل رہے تھے کہ پولیس آ گئی ۔ انھوں نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور پولیس والے کو دھکا دے کر صاف نکل گئے ۔ اپنے بچوں یا حضرتِ علامہ مرحوم کے کسی بچے سے کوئی غلط بات سرزد ہو جاتی تو سخت سزا دیتے تھے ۔ ایک دفعہ ان کے ایک بچے امتیاز نے شرارت کی ، پھر خوف کے مارے مسجد میں جا کر چھپ گیا ۔ شیخ عطا محمد نے بار بار بلایا لیکن وہ نہ آیا ۔ پھر اپنے والد صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ آخر وہ آتا کیوں نہیں ۔ والد صاحب نے کہا کہ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم مسجد میں قدم نہیں رکھو گے ۔ پھر اس سے بہتر اس کے چھپنے کی آخر کون سی جگہ ہو سکتی ہے ۔

۴

جب شیخ عطا محمد بلوچستان کی سرحد پر تھے تو ان پر غبن کا ایک مقدمہ بن گیا ۔ اس موقع پر علامہ صاحب نے ایک نظم لکھی جو دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر نذر کرنے کے لیے بھیجی ۔ خود حضرت علامہ دشوار گزار منزلیں طے کر کے بھائی کے پاس پہنچے ۔ آخر شیخ عطا محمد اس مقدمے میں باعزت طور پر بری ہو گئے ۔

۵

شیخ منظور احمد نے بتایا کہ میرے ایک ہم جماعت اکرام نامی ہیں ۔ ان کے والد اور چچا صحاف تھے اور کاغذ بھی بناتے تھے ۔ اب وہ فوت ہو چکے ہیں ۔ اکرام کا بیان ہے کہ حضرت علامہ مرحوم اور شیخ عطا محمد اکرام کے گھر کاغذ کوٹا کرتے تھے اور

وہاں سے روٹی کھانے کو مل جاتی تھی ۔ یہ اس خاندان کی انتہائی غربت کا زمانہ تھا ۔ پھر شیخ عطا محمد رسالے میں ملازم ہوگئے۔ تو آمدن کا سہارا پیدا ہوا ۔ اس زمانے میں حضرت علامہ کی تعلیم بھی رک گئی تھی مگر شیخ عطا محمد کی ملازمت نے پھر ایک اچھی صورت پیدا کردی ۔

٦

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت علامہ کی پیدائش کشمیری محلہ سیالکوٹ میں ہوئی ۔ میں نے خود ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت علامہ (سیالکوٹ میں) رحیمہ عطار کی دوکان کے سامنے کھڑے ہیں ، تختے پر حقّہ رکھا ہوا ہے اور حضرت علامہ حقّہ پی رہے ہیں ۔ آپ کا ایک پاؤں زمین پر ہے ، دوسرا تختے پر ۔ طلائی جوتا پہن رکھا ہے ۔ جو پاؤں تختے پر ہے اس کا جوتا ذرا ڈھیلا ہے ۔ اتفاق سے حضرت علامہ کو مولوی میر حسن آتے دکھائی دے ۔ حضرت علامہ نے تختے والا جوتا وہیں چھوڑا ۔ ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا بغیر جوتے کے ۔ اسی حالت میں مولوی میر حسن کی طرف بڑھے اور ان کے ساتھ ہوگئے ۔ گردن جھکی ہوئی تھی ۔ اسی طرح ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا برہنہ تھا کہ مولوی صاحب کو گھر پہنچا کر واپس آئے ۔ پھر اپنا دوسرا جوتا پہنا ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علامہ مولوی صاحب کا کس قدر احترام کرتے تھے ۔

☆ ☆ ☆

خواجہ برکت علی

(ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر جنرل)

۱

ڈاکٹر صاحب کے محلے میں اکبر خاں نامی ایک شخص بوٹوں کی دوکان کرتا تھا۔ ان کے صاحبزادے کی شادی تھی۔ رنڈی گا رہی تھی۔ داغ کی غزل تھی:

نظر آئے تو گھر آئے

ڈاکٹر صاحب نے مجلس میں بیٹھے بیٹھے ایک پرزے پر یہ شعر لکھ کر رنڈی کے حوالے کیا۔ رنڈی تعلیم یافتہ تھی۔ غزل کے ساتھ جب اس نے ڈاکٹر صاحب کا یہ شعر پڑھا:

ہے میری زباں پر یہ دعا چور ہو ایسا
اکبر کی دکاں پر نہ کوئی شور نظر آئے

محفل بے اختیار ہنس پڑی اور اکبر خاں بہت خفیف ہوئے۔

۲

جب ہم کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی میں ریڈر تھے ۔ میں اور دوسرے طالب علم ان سے ملاقات کے لیے جاتے تھے ۔ وہ ہر قسم کے شعر سناتے تھے ۔ مجھے تو اس زمانے میں شعروں کے سننے سنانے کا شوق نہ تھا لیکن میرے ساتھیوں میں بعض لوگ ڈاکٹر صاحب کے سنائے ہوئے اشعار لکھ لیتے تھے ۔ ان میں بشیر حیدر مرحوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔

۳

ڈاکٹر صاحب میرے ہم وطن تھے ۔ کچھ رشتہ داری بھی تھی ۔ ہم ایک دوسرے کے ہاں آیا جایا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ ہمارا مکان بن رہا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب ایک دوست کے ہمراہ ادھر سے گزرے ۔ والد صاحب مکان کے سامنے بیٹھے نگرانی کر رہے تھے ۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ برکت علی کبھی کبھی آپ کے پاس آیا کرے گا ، اس کا خیال رکھنا ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میری صحبت تو اس کے لیے کوئی اچھی نہ ہوگی ۔

☆ ☆ ☆

خواجہ رحمت اللہ
(برادرِ خواجہ برکت علی)

۱

ڈاکٹر صاحب کے دادا کا نام محمد رفیق تھا - ڈاکٹر صاحب کے ایک چچا بھی تھے - ان کا نام غلام قادر تھا - وہ نہر کے محکمے میں ملازم تھے -

۲

ڈاکٹر صاحب کا خاندان تقریباً دو سو پچاس سال قبل مسلمان ہوا اور اس میں کوئی شبہ نہیں - جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے پہل ڈاکٹر صاحب کا دادا مسلمان ہوا ، ان کو اس خاندان کے صحیح حالات معلوم نہیں -

۳

سیالکوٹ میں کئی آدمی ایسے تھے کہ جن کے پاس ڈاکٹر صاحب کا ابتدائی کلام مل سکتا تھا - لیکن افسوس کہ اب ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں - ہمارے ایک بھائی (ابن حامد شاہ) ہیں - انھوں نے بھی ایک بیاض میں ڈاکٹر صاحب کے ابتدائی مشق کے اشعار محفوظ کیے تھے لیکن اب اس بیاض کا عدم اور وجود برابر ہے -

☆ ☆ ☆

خالد نظیر صوفی

[خالد نظیر صوفی رشتے میں ایک طرح سے حضرت علامہ کے نواسے ہیں ۔ ان کی والدۂ مکرمہ وسیمہ مبارک ڈاکٹر اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی صاحبزادی ہیں ۔ ۱۹۱۴ء میں جب والدۂ جاوید شادی کے بعد پہلی بار سیالکوٹ آئیں تو وسیمہ اڑھائی برس کی تھیں اور اپنے چچا کی بڑی چہیتی تھیں ۔ والدۂ جاوید نے ان کو گود لیا اور جب تک ان کی شادی نہیں ہو گئی ، اپنے ہی پاس رکھا ۔ وسیمہ نے بچپن سے جوانی تک اپنے بلند مرتبہ چچا کے پاس رہ کر جو کچھ دیکھا اور سنا ، حافظے میں محفوظ رکھا اور اپنے بیٹے کو نہایت سادگی سے بتا دیا ۔

خالد نظیر صوفی نے مندرجہ ذیل بیان کے بعد اپنی والدہ اور دیگر افرادِ خاندان کی بتائی ہوئی روایتوں اور یادداشتوں کو تفصیل سے جمع کر کے ایک کتاب مرتب کی ہے جو ''اقبال درونِ خانہ'' کے نام سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ۔ یہ حضرتِ علامہ کی خوشگوار گھریلو زندگی کا ایک نہایت دل آویز مرقع ہے] ۔

۱

ڈاکٹر صاحب کا خاندان دو اڑھائی سو برس پیشتر کشمیر میں

مسلمان ہوا تھا ۔ نسب کے اعتبار سے یہ سپرو برہمن تھے اور ان کا خاندان نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ۔ ایک سیّد صاحب مذہبِ اسلام کی تبلیغ کی غرض سے جب کشمیر پہنچے تو ڈاکٹر صاحب کے جدِ امجد کو ان سے بے پناہ عقیدت ہو گئی ، جس کے نتیجے میں وہ کفر سے دائرۂ اسلام میں آ گئے ۔ حج کی سعادت بھی ان کو نصیب ہوئی ۔ ان کو بابا صالح کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ سیّد صاحب نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا ۔ سیّد صاحب کی وفات کے بعد بابا صالح ہی ان کے سجادہ نشین قرار پائے ۔ کشمیر میں ان کا مزار ہے ۔ مشہور ہے کہ بابا صالح نے اپنی عمر کے آخری لمحوں میں وصیت فرمائی تھی کہ چنار کی خشک لکڑی ان کی قبر پر گاڑ دینا جو خدا کے فضل سے ہری ہو کر ایک تن آور درخت کی شکل میں ان کے مزار کی نشاندہی کرتی رہے گی ۔

۲

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ڈاکٹر صاحب کا خاندان کشمیر سے نقل مکانی کر کے سیالکوٹ آ گیا ۔ ممکن ہے پہلے پہل یہ لوگ کسی گاؤں میں آبسے ہوں ۔ سیالکوٹ شہر میں ان کے دادا (شیخ محمد رفیق) نے سکونت اختیار کی ۔ یہی قرائن سے معلوم ہوتا ہے ۔

شیخ غلام قادر ، ڈاکٹر صاحب کے والد شیخ نور محمد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے ۔

ڈاکٹر صاحب کے والد کے چچیرے بھائی جیٹھےکی نزد سمبڑیال میں رہتے تھے ۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے والد سے ملاقات کے لیۓ آیا کرتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کے والد کم آمیز اور خلوت پسند بزرگ تھے ، کہیں آتے جاتے نہیں تھے ۔ ایک دفعہ چچیرے بھائی نے تاکیداً گزارش کی کہ وہ بھی ان کے ہاں آیا کریں لیکن یہ نہ جا سکے ۔ آخر اُنھوں نے ایک مرتبہ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آپ نہیں آئیں گے تو پھر ہم بھی نہیں آئیں گے ۔ چنانچہ اس کے بعد ملاقات کا یہ سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا اور میل جول براۓ نام رہ گیا ۔

۳

والدۂ جاوید کمزور دل کی عورت تھیں ۔ معمولی سے واقعے سے خوف زدہ ہو جاتی تھیں ۔ قیامِ لاہور کے دنوں میں ایک دفعہ زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوۓ تو وہ بے ہوش ہوگئیں ۔ پہلی بیوی (بنتِ ڈاکٹر عطا محمد) اور مختار (ابنِ شیخ عطا محمد) بھی موجود تھے ۔ ڈاکٹر صاحب کو باہر سے بلایا گیا ، وہ آ کر پاس بیٹھ گئے ۔ جب ذرا ہوش آیا تو اُن کو لطیفے اور کہانیاں سناتے رہے ۔ پھر فرمایا کہ کہانیاں تو سن لیں ، اب اپنے پیدا کرنے والے کا ذکر کرو ، کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دل کو اطمینان بخشتا ہے ۔ ''یا حی یا قیوم'' کا ورد کرو ۔ پھر خود بھی بلند آواز سے ''یا حی یا قیوم'' کا ورد کرنے لگے تو کمرہ ان

کی آواز سے گونج اٹھا ۔ والدۂ جاوید پھر ڈر گئیں ۔ ڈاکٹر صاحب یہی ورد کرتے کرتے زنان خانے سے باہر تشریف لے گئے ۔

۴

میرے پاس ڈاکٹر صاحب کے زمانۂ طالب علمی کی چند کتابیں موجود ہیں ، جن پر انھوں نے اپنا نام بھی لکھ رکھا ہے اور چند تحریریں بھی ہیں ۔ ایف ۔ اے میں پڑھی گئی ایک انگریزی کتاب ، جس پر ان کے دستخط بھی تھے ، خاتونِ پاکستان محترمہ فاطمہ جناح کی ''اقبال منزل'' سیالکوٹ میں تشریف آوری پر میرے والدِ گرامی نے یادگار کے طور پر ان کی خدمت میں پیش کر دی جسے انھوں نے قبول فرما کر خوشنودی کا اظہار کیا تھا ۔

۵

ڈاکٹر صاحب کی والدۂ ماجدہ کی ایک تصویر بھی محفوظ ہے جس میں وہ قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہی ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب جب ولایت سے وطن تشریف لائے تو اس موقع پر کسی شاعر نے ایک نظم لکھی تھی جو موجود ہے ۔

(ہم نے کتابیں ، تصویر اور نظم دیکھنے کی خواہش کی ۔ صوفی نظیر صاحب کے ساتھ وقت بھی مقرر ہوگیا ، لیکن اچانک شدید بارشوں کی وجہ سے بازار برساتی نالوں میں تبدیل ہوگئے اور افسوس کہ ہم ان نوادر کی زیارت نہ کر سکے ۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو تبرکات سمجھ کر محفوظ کیا جائے) ۔

☆ ☆ ☆

خواجہ محمد مسیح پال امین حزیں

۱

میں جب آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا تو حضرت علامہ اقبال ایف ۔ اے میں پڑھتے تھے ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ کالج سے سکول میں تشریف لا کر اپنے کچھ اشعار سنائے تھے ۔

۲

مولوی ابراہیم سیشن جج نے ایک خواب سنایا کہ ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب ان کے خواب میں آئے اور ارشاد فرمایا کہ ایک قلندر کا مقدمہ تمھارے سامنے پیش ہوگا ، اس کو رہا کر دینا ۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ایک شخص کو آوارہ گردی کے جرم میں پولیس گرفتار کر کے لائی اور عدالت میں پیش کیا ۔ اس شخص نے مجھ سے پوچھا "کیا ہمارا قلندر آپ سے ملا تھا ؟" مجھے خواب کا وہ حصہ یاد آ گیا ۔ میں نے اس کی ضمانت کا انتظام کیا اور پیشی کی تاریخ دے دی اور

ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے قلندر سے بعدِ سلام میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ مجھے اپنے وطن بلائے۔ مقررہ تاریخ پر جب وہ شخص پیش ہوا تو میں نے اُسے باعزت طور پر برطی کر دیا۔ جاتے جاتے اُس نے میرے پیغام کا یہ جواب دیا کہ آپ کا کام ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں سیالکوٹ میں تبدیل ہوگیا۔ میری خواہش تھی کہ میری تبدیلی میرے وطن امرتسر میں ہو، مگر پیغام جس شکل میں ان کو ملا تھا، اُسی پر عمل ہوا اور تبادلہ سیالکوٹ میں ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی

[مندرجہ ذیل حالات مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے ہمارے سوال نامے میں خود لکھ کر ہمارے حوالے کیے] -

۱

ڈاکٹر صاحب کے والد کلاہ دوزی کرتے تھے اور مشین سے کپڑے کی ٹوپیاں بناتے تھے ، مالی حالت متوسط تھی - نہایت متین ، صوفی منش اور ذی عقل و سنجیدہ مزاج آدمی تھے - لب و لہجہ ، طرزِ کلام ، صورت و شکل بلکہ آواز تک میں علامہ مرحوم اپنے والد ماجد سے مشابہت رکھتے تھے ، مگر والد صاحب قد میں نسبتاً اونچے تھے -

۲

ابتدائی تعلیم مولانا ابو عبداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی اور شمس العلما مولانا سید میر حسن مرحوم سے حاصل کی اور اس کے بعد سکاچ مشن ہائی سکول میں باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی - میٹرک

تک اسی سکول میں پڑھا اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان سکاچ مشن کالج (موجودہ مرے کالج) سے پاس کیا۔

۳

ڈاکٹر صاحب کے اساتذہ میں ذیل کے نام مشہور ہیں :

(۱) ماسٹر غلام علی صاحب (اقبال شیدائی کے والد)۔
(۲) ماسٹر پالا مل صاحب۔
(۳) منشی امام الدین مرحوم۔
(۴) مولانا سید میر حسن صاحب شمس العلماء۔
(۵) مسٹر ڈیوڈ ہیڈ ماسٹر (دیسی عیسائی)۔
(۶) ماسٹر ٹہل سنگھ ('')۔
(۷) مسٹر پی۔ڈی۔ سنگھا (دیسی عیسائی)۔ بعد میں وہ بیرسٹر ہوگئے تھے (بنارس کے رہنے والے تھے)۔
(۸) پادری فیگن (سکاچ مشن کے)۔
(۹) جارج واخ (پرنسپل سکاچ مشن کالج)۔

۴

مولوی میر حسن صاحب سے تعلق کی وجہ یہ تھی کہ ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور اسی سکول کے طالب علم تھے جس میں مولوی صاحب پڑھاتے تھے۔ مولانا سید میر حسن اور شیخ نورمحمد صاحب (والدِ ڈاکٹر صاحب) ہر دو مولانا ابو عبداللہ غلام حسن کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی مولانا سید میر حسن

صاحب کو علامہ مرحوم سے تعلق تھا۔ مولانا ابو عبداللہ غلام حسن صاحب باکمال بزرگ تھے اور مولانا میر حسن صاحب اور شیخ نور محمد صاحب ہر دو کو مولانا صاحب سے بہت عقیدت تھی۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کسی کی غیبت نہیں سن سکتے تھے۔ جب کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیّر ہو جاتا۔

۵

اقبال سکول جانے سے پہلے اور سکول سے آنے کے بعد فارسی عربی کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ تحصیلِ دینیات کے لیے مولانا ابو عبداللہ غلام حسن صاحب کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ سکول کی زندگی اور سیالکوٹ میں کالج کی زندگی کے بعد بھی جب کبھی سیالکوٹ میں تشریف لاتے تو ہمیشہ ارادت سے حاضرِ خدمت ہوتے۔ غالباً پرائمری ۱۸۸۷ع ، مڈل ۱۸۹۰ع اور میٹرک ۱۸۹۲ع میں پاس کیا۔

٦

مولانا سیّد میر حسن صاحب ساکن باجوہ ضلع سیالکوٹ ، مسجد دو دروازہ کے امام اور متولی تھے۔ ان کی تالیفات میں سے "حاشیہ کنز الدقائق" بھی ہے۔ قاضی عطاء اللہ صاحب اس زمانے کے اہلِ علم میں سے تھے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے شاہ صاحب مرحوم

کی استادی شاگردی کا تعلق تھا یا نہیں ۔ 'مسجد کبوتروں والی'
سیالکوٹ میں سب سے زیادہ مشہور دینی درس گاہ تھی ۔ مولانا
غلام مرتضیٰ اس کے امام تھے ۔ دور دور سے لوگ استفادے کے لیے
حاضر ہوتے تھے ۔ مولانا میر حسن کا مشغلہ درس و تدریس تھا ۔
سکول یا کالج کے وقت سے پہلے اور سکول کے وقت کے بعد گھر پر
عربی فارسی اور اُردو پڑھایا کرتے تھے ۔ وہ سیالکوٹ کی عیدگاہ
کے مدتوں امام رہے ۔ انجمن اسلامیہ کے صدر بھی رہے جس سے بعد میں
سبکدوش ہو گئے ۔

وہ سادہ مزاج اور خوددار انسان تھے ۔ گھر پر جو طلبہ پڑھنے آتے
تھے ان کی خدمت خود کرتے تھے ۔ کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیتے
تھے ۔ ہندو ، سکھ ، عیسائی سب ان سے کمال عزت سے پیش آتے تھے ۔
بازار سے سودا سلف خود لاتے تھے ۔ طبیعت ظریفانہ پائی تھی ، زبان
سلجھی ہوئی تھی ۔ مہذب ظرافت اور نکتہ سنجی میں بے نظیر تھے ۔
بولنے میں آواز متوسط تھی ۔ مروّت ، سادگی ، سنجیدگی اور تواضع و
احسان مندی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ اخلاق
کے مجسمہ اور ذہین و فطین انسان تھے ۔ حافظہ بلا کا پایا تھا ۔ وعدے
کے بہت پابند تھے ۔ اپنی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ تا حینِ حیات
ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا کریں گے ۔ چنانچہ جب تک
چلنے پھرنے کی طاقت رہی ، روزانہ قبرستان جایا کرتے تھے ، حالانکہ
فاصلہ کافی تھا ۔

ان کی صحبت میں دل جمعی اور طمانیت قلب حاصل ہوتی تھی اور فکرمندی دور ہو جاتی تھی ۔ اس زمانے میں سائیں کیسر شاہ صاحب ایک صوفی بزرگ تھے ۔ مولانا سید میر حسن صاحب اور شیخ نور محمد صاحب (والد علامہ مرحوم) کو ان سے عقیدت تھی ۔ میرزا غلام احمد قادیانی بھی ان دنوں سیالکوٹ میں مقیم تھے ۔ سائیں کیسر شاہ اور سید میر حسن کو اس زمانے میں بھی میرزا صاحب سے انس پیدا نہیں ہوا حالانکہ وہ بند کوٹھڑی میں اندھیرا کر کے اور چراغ جلا کر عملیات کرتے تھے ۔ سرسید مرحوم اور ان کے ساتھی علما سے انہیں خاص لگاؤ تھا ۔

حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی سے خاص عقیدت تھی ۔ تمام مذاہب کے لوگ بغیر کسی تفریق و تمیز کے شاہ صاحب (مولانا میر حسن صاحب) کے فیضِ علم سے مستفید ہوتے تھے ۔ اس کے لیے کوئی حق الخدمت وصول نہیں کیا جاتا تھا ۔

مولوی میر حسن صاحب سے ہر طبقے کے لوگ مبتدی اور منتہی فائدہ اٹھاتے تھے ۔ کئی فارغ التحصیل بھی مستفید ہوتے تھے ۔ لالہ نرنجن داس سب جج (پہلے ہیڈ ماسٹر تھے) ، سردار حضورا سنگھ وکیل ، پنڈت بیلی رام وکیل (یہ بھی شاعر تھے) ، مولوی احمد دین صاحب ریڈر اور ان کے فرزند منشی محمد مسیح پال (امین حزیں سیالکوٹی)، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی ، منشی غلام قادر فصیح مرحوم ، سردار کھڑک سنگھ مشہور سکھ لیڈر ، شیخ ظہور الدین صاحب تحصیل دار ،

سردار چڑت سنگھ صاحب ڈسٹرکٹ جج (ریٹائرڈ) ، پروفیسر محمد امین صاحب ایم ۔ اے ، ایم ۔ او ۔ ایل ، جسٹس کنورسین پرنسپل لاء کالج ، مولوی ظفر اقبال صاحب ایم ۔ اے ، پی ۔ ای ۔ ایس ریٹائرڈ ، لالہ بھیم سین ، عبدالقیوم میر ایم ۔ اے ، ایم ۔ او ۔ ایل ، پی ۔ ای ۔ ایس ریٹائرڈ ، شیخ نور الٰہی صاحب وکیل سبھی ان سے علمی فوائد حاصل کرتے تھے ۔

قبرستان اور کالج آتے جاتے راستے میں بھی طالب علم ساتھ ساتھ چلتے اور آموختہ سناتے جاتے ۔ بعض اوقات جب کوئی شعر بہ طور نظیر پڑھنا ہوتا تو چلتے چلتے ٹھہر جاتے اور شعر پڑھتے ۔ آپ مجسمۂ اخلاق تھے ۔ بعض اوصاف کا ذکر اوپر آ چکا ہے مگر تمام واقعات کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے ۔

۷

اس زمانے میں سیالکوٹ میں اور بھی درس گاہیں تھیں مگر :

(۱) مولوی غلام مرتضیٰ صاحب ۔

(۲) مولوی غلام حسن صاحب ۔

(۳) مولوی مزمل صاحب ۔

(۴) مولوی میر حسن صاحب ۔

کی درس گاہیں بہت مشہور تھیں ۔ مولوی غلام حسن اور مولوی مزمل حسین صاحبان صرف علوم عربیہ و دینیات کا درس دیتے تھے ۔ مولوی میر حسن صاحب کی درس گاہ عربی فارسی زبان دانی کی تھی ۔

ٹائم پیس پہلو میں باندھ کر ساتھ لے جاتے تھے ۔ اگر کوئی نادر کتاب
کسی کے پاس دیکھ لیتے تو اس کو یا تو خود نقل کر لیتے یا کسی
سے نقل کروا لیتے ۔ حافظِ قرآن تھے اور نہایت اچھا ضبط تھا ۔ ایک
دفعہ شبینے میں اکثر نوجوان بھی بیٹھے ہوئے تھے ، مگر آپ نے
کھڑے ہو کر سارا قرآن شریف سنا ۔ تہجد کی نماز میں مہینے بھر
(یعنی ۲۹ دن میں) قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے ۔ نہایت راست گو
تھے ۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید علی نقی صاحب بوئرونکی لڑائی
میں بہ حیثیت ملٹری افسر افریقہ گئے ہوئے تھے ۔ لوگوں نے کہا کہ
آپ درخواست کریں کہ میں بیمار ہوں ، اس لیے میرے لڑکے کو
واپس بھیج دیا جائے ۔ اس پر فرمایا کہ میں غلط بیانی نہیں کروں گا ۔

عیسائی پادری طلبہ کو لالچ دے کر اپنی طرف مائل کیا کرتے
تھے مگر مولوی میر حسن صاحب ایسے طلبہ کی مولانا غلام حسن
صاحب کے درس کی طرف رہنمائی کر دیا کرتے تھے ۔

(۱۶ فروری ۱۹۵۲ع ۔ دستخط میر ابراہیم سیالکوٹی)

۱

ایک ملاقات میں مولانا میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے فرمایا
کہ میرے ایک شاگرد کا نام حبیب اللہ تھا مگر اسے ''چمنا چمنا''
کہتے تھے کیونکہ قد بہت چھوٹا تھا ۔ ایک دفعہ میں چند دوستوں کے
ہمراہ شاہ صاحب (مولوی میر حسن) سے ملنے گیا ۔ چمنا بھی میرے
ساتھ تھا ۔ ایک بنچ پڑا تھا ، ہم سب اس پر بیٹھ گئے ۔ چمنا کا قد

چونکہ چھوٹا تھا اس لیے بنچ پر بیٹھ کر اس کے پاؤں زمین سے نہیں لگتے تھے - شاہ صاحب باتیں کر رہے تھے کہ ان کی نظر چمنا کے پاؤں پر پڑی - وہ چپ چاپ اٹھے اور چوکی اٹھا کر اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دی - یہ شاہ صاحب کی تواضع اور مہمان داری کا واقعہ ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا نہ تھا -

۲

ایک دفعہ شبینہ میں ایک ہی رات میں پورا قرآن سننے کا فیصلہ ہوا - بڑے بڑے جوان بھی تھک کر بیٹھ گئے اور خود میں بھی (مولوی ابراہیم سیالکوٹی) اٹھارویں پارے پر بیٹھ گیا مگر شاہ صاحب (مولوی سید میر حسن) برابر کھڑے رہے اور پورا قرآن کھڑے کھڑے سنا - پوری جماعت میں صرف ایک اَور صاحب ان کا ساتھ دے سکے تھے -

☆ ☆ ☆

لالو پہلوان

اکثر احباب کی زبانی سنا تھا کہ لالو پہلوان ، جو لاٹو کے نام سے مشہور ہے ، ڈاکٹر صاحب کا بچپن کا دوست ہے ، اس سے ملاقات کرنا چاہیے ۔ اُمید ہے کہ اس سے بہت سی قیمتی معلومات مل سکیں گی ۔ بڑی تگ و دو کے بعد اس شخص سے ملاقات کا انتظام ہوا ۔ اس کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی ۔ ظاہری شکل و صورت سے تو وہ خاصا تندرست دکھائی دیتا تھا لیکن گفتگو کے دوران میں محسوس ہوا کہ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا ہے ۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب اور آغا باقر میرے بچپن کے دوست تھے ۔ ہم تینوں دوست مل کر سیر و تفریح کیا کرتے تھے ۔ میں زور کیا کرتا تھا اور ڈاکٹر صاحب اور باقر کو بھی اکھاڑے میں لے جایا کرتا تھا ۔ میرے بھائی کی دکان دودھ دہی کی تھی ۔ میں جہاں جاتا تھا ، دونوں دوست میرے ہمراہ ہوتے تھے ۔ زور کرتے وقت یہ بھی میری طرح لنگر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں اترتے تھے ۔ گھر میں بھی مجھ سے کوئی پردہ نہ تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کو

کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا ۔ جب ولایت سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تو مجھے بھی لاہور طلب کیا ۔ چنانچہ میں چند روز ان کے ساتھ رہا ۔ مختلف مقامات سے کبوتروں کی مختلف اعلیٰ نسلیں منگایا کرتے تھے ۔ بھاٹی دروازے میں رہتے تھے ۔ پھر اپنی کوٹھی بنوائی اور وہاں اٹھ گئے ۔

اس کے بعد لاٹو نے کہا کہ میں ان پڑھ آدمی ہوں لہٰذا اور کچھ بتانے سے قاصر ہوں ۔

☆ ☆ ☆

اشاریہ

مرتبہ

احمد رضا

اشخاص

خ

د

ڈ

ذ

ر

ز

س

ش

غ

ف

ن

و

ی

☆ ☆ ☆

مقامات ، ادارے

الف

ب

ح

خ

د

ڈ

ر

ز

س

ش

☆ ☆ ☆

کتب و رسائل

☆ ☆ ☆